بچوں اور نوجوانوں کے لیے انمول تحفہ

مثنوی مولانا روم کے ایمان افروز واقعات

ایسے سبق آموز اور حیرت انگیز واقعات کا سلیس مجموعہ جن کے مطالعہ سے

★ نوجوانوں اور بچوں میں اخلاق کی اصلاح کا جذبہ پیدا ہو جائے ★ اللہ تعالیٰ کی محبت اور معرفت حاصل کرنے کا پاکیزہ شوق اُبھرے ★ پُرفتن دور میں ایمان کی حفاظت کے گُر حاصل ہو جائیں

از فیضانِ معرفت

عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم

جمع، ترتیب و تسہیل

مفتی محمد نعیم

دارالافتاء جامعہ اشرف المدارس کراچی

خلیفہ مجاز بیعت

عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم

ناشر

مکتبۃ النور کراچی

بچوں اور نوجوانوں کے لیے انمول تحفہ

مثنوی مولانا رومؒ کے ایمان افروز واقعات

ایسے سبق آموز اور حیرت انگیز واقعات کا سلیس مجموعہ جن کے مطالعہ سے

★ نوجوانوں اور بچوں میں اخلاق کی اصلاح کا جذبہ پیدا ہو جائے ★ اللہ تعالیٰ کی محبت اور معرفت حاصل کرنے کا پاکیزہ شوق ابھرے ★ پُرفتن دور میں ایمان کی حفاظت کے گُر حاصل ہو جائیں

ازفیضانِ معرفت

عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

جمع، ترتیب و تسہیل

مفتی محمد نعیم میمن

استاذ دار الافتاء جامعہ اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی

خلیفۂ مجاز بیعت

عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم

مکتبۃ النور کراچی

0333-2375446

کتاب کا نام : مثنویٔ مولانا رومؒ کے ایمان افروز واقعات

افادات : عارف باللہ

حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب مدظلہ العالی

جمع وترتیب وتسہیل : مفتی محمد نعیم، دارالافتا جامعہ اشرف المدارس کراچی

کمپوزنگ : عرفان انور مغل

سن اشاعت : ستمبر ۲۰۱۰ء

تعداد : ۱۱۰۰

مکتبہ النور کراچی

شاپ ۶۴، اجمیر پرائیڈ جوہر، ۱۲، کراچی

03336548203
03343242688

ملنے کا پتے:

کتب خانہ مظہری گلشن اقبال نمبر ۲، کراچی

دارالاشاعت اردو بازار کراچی

ادارۃ الانور، علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

مکتبہ عمر فاروق، شاہ فیصل، کراچی

ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

کتاب گھر، سکھر

فہرست مضامین

حرفِ آغاز

نحمده ونصلی ونسلّم علی رسوله الکریم!

مکتبۂ معرفت کی البیلی، شہرہ آفاق اور دلوں میں **عشقِ الٰہی** کی آگ لگادینے والی عظیم کتاب **"مثنوی شریف"** کے مصنف شیخ الاسلام حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کسی تعارف کے محتاج ہیں اور نہ ہی "مثنوی" کی عارفانہ شرح **"معارفِ مثنوی"** کے مؤلف سیّدی ومرشدی عارف باللہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب (اطال اللہ بقاءہ فینا فی عافیۃ وخیر) کی قدوسی شخصیت کسی تعارف کی محتاج ہے۔

حضرت مرشدی دام ظلّہ کی ذاتِ گرامی سے پورے عالَم میں محبتِ الٰہی کا وہ فیضان ہوا کہ بے حد وحساب لوگوں نے تزکیہ نفس اور عشقِ الٰہی کی حلاوت سے اپنے ایمانوں کو جلا بخشی، اور اللہ تعالیٰ کے عظیم تعلق کی دولت سے مالا مال ہوئے۔ آپ کے حق میں یہ کہتے ہوئے کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہے ؎

جس قلب کی آہوں نے دل پھونک دیئے لاکھوں اس قلب میں یا اللہ کیا آگ بھری ہوگی!

حضرت والا کی تالیفِ لطیف **"معارف مثنوی"** بلاشبہ بڑی کثیر النفع، عوام اور خواص میں شرفِ قبول حاصل کرنے والی کتاب ہے۔ اس کتاب کے **مضامین اللہ تعالیٰ** کی معرفت ومحبت سے لبریز اور اپنی ذات میں بڑے عالی اور الہامی ہیں۔

عرصۂ دراز سے ناچیز راقم الحروف کے دل میں یہ تقاضا بڑی شدت سے تھا کہ حضرتِ والا کی اس تالیف سے مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کردہ واقعات اور حکایات اور ان سے

حاصل ہونے والی نصیحت اور سبق کا انتخاب کیا جائے، اور فصیح و بلیغ الفاظ کو سادہ پیرائے میں منتقل کردیا جائے تاکہ ہر شخص آسانی کے ساتھ حضرت والا کے فیضانِ معرفت سے استفادہ کرسکے۔

خاص طور سے ہمارے معاشرے میں پھیلے ہوئے فحش، مُخَرِّبِ اخلاق، دین بیزار ناولوں، افسانوں اور قصے کہانیوں کی کتابوں کی بہتات کے ہوتے ہوئے اس چیز کی ضرورت میں مزید اضافہ ہوگیا کہ عام نوجوانوں بالخصوص اسکول وکالج کے طلبہ و طالبات کے سامنے ایسا مواد پیش کیا جائے جس میں ایسے دلچسپ واقعات ہوں جو حکمت و دانائی سے پُر، اصلاحِ اخلاق کے لئے نہایت پُر اثر، اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا کرنے والے ہوں۔

چنانچہ ناچیز راقم الحروف نے سیّدی ومرشدی حضرتِ عارف باللہ دامت برکاتہم کی اجازت سے **"معارف مثنوی"** سے مضامین کا انتخاب، اس کی تسہیل اور ساتھ ساتھ اس واقعہ سے ملنے والے سبق اور نصیحت کو لکھنا شروع کردیا۔

کتاب کے ابتدائی کچھ حصہ کے کام کے بعد ناچیز نے حضرت والا دامت برکاتہم کو جستہ جستہ سنایا تو آپ نے نہایت پسندیدگی کا اظہار فرمایا اور اسی طرز پر کام کی تکمیل کا حکم فرمایا۔

الحمدللہ! چند ہفتوں کی محنت کے بعد جس کی توفیق اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے عنایت فرمائی، یہ کام مکمل ہوگیا اور اب زیورِ طباعت سے آراستہ ہوکر آپ حضرات کے ہاتھوں میں ہے۔

اس ناکارہ نے الحمدللہ تعالیٰ حضرت والا کے اس فیضان سے ذاتی طور سے بہت فوائد محسوس کئے، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے قوی امید ہے کہ آپ بھی اس کے مطالعے سے خود اور اپنی اولاد واحباب کی اصلاح میں واضح فوائد محسوس فرمائیں گے۔

آخر میں ان دو مقدس شخصیات کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے، جن کی دعاؤں، توجہات اور فیضانِ صحبت نے اُن کے سانحۂ ارتحال کے بعد اس ناچیز کو سیدنا ومولانا عارف باللہ حضرت مولانا

شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم کی غلامی کا شرف عطا فرمایا۔ ان میں سے ایک میرے شیخِ اوّل، شفیق الامت حضرت مولانا حاجی محمد فاروق صاحب نوراللہ مرقدہ (خلیفہ اجلّ مسیح الامت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہیں)۔ جن کے احسانات کا ذکر اس ناچیز کے بس سے باہر ہے، شروع زمانہ طالب علمی سے حضرت شفیق الامت رحمۃ اللہ علیہ کے دامنِ فیض سے وابستگی رہی۔ حضرت والا کی رحلت کے بعد میرے شیخِ ثانی، جامع المحاسن حضرت ڈاکٹر محمد صابر صاحب قدّس اللہ سرہ، میرے وہ عظیم محسن ہیں جن کی دعاؤں اور توجہات اس ناچیز کے لئے سرمایہ حیات تھیں۔ مگر حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی طویل علالت کے بعد اللہ کو پیارے ہوگئے۔

اللہ رب العالمین ان دو حضرات کے ہمیشہ درجات میں بلندی فرمائیں اوران کی برکات سے اس ناچیز کو محروم نہ فرمائیں اوران شخصیات کی جو ناقدری ہوئی، اللہ تعالیٰ معاف فرمادیں۔

اللہ تعالیٰ کا اس ناچیز پر بے حد وحساب کرم ہوا کہ اس نے ان حضرات کے بعد مرجع الخلائق، زبدۃ السالکین، شمس العارفین، عارف باللہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر دامت برکاتہم کی غلامی کا شرف عطا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے حضور دل وجان سے دعا ہے کہ وہ حضرت کا سایۂ رحمت وشفقت، مدّتِ مدید تک مکمل صحت وعافیت کے ساتھ قائم رکھیں اور آپ کی تعلیمات پر کماحقہ تعمیلات کی توفیق عطا فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے ناچیز راقم الحروف کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائیں اوراپنے محبت ومعرفت سے تمام مسلمانوں کے قلوب منور فرمائیں اور تمام لوگوں کے لئے گناہ چھوڑنے کی ہمت وتوفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

احقر محمد نعیم عفا اللہ عنہ

خادم الطلبۃ، دارالافتاء جامعہ اشرف المدارس

گلشن اقبال نمبر۲، کراچی۔

۲۹/ رجب ۱۴۲۸ھ، بمطابق ۱۴/ اگست ۲۰۰۷۔

عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم العالیہ

تقریظ

باسمہٖ تعالیٰ شانہٗ

HAKIM MUHAMMAD AKHTAR

NAZIM
MAJLIS-E-ISHATUL HAQ

KHANQAH IMDADIA ASHRAFIA
ASHRAFUL MADARIS
GULSHAN-E-IQBAL-2, KARACHI
P.O.BOX NO. 11182
PHONES 461956 - 462676 - 4981958

حکیم محمد اختر عفا اللہ عنہ
ناظم، مجلس اشاعۃ الحق
خانقاہ امدادیہ اشرفیہ / اشرف المدارس
ایس ٹی ۱، بلاک ۲، گلشن اقبال، کراچی
پوسٹ بکس نمبر ۱۱۱۸۲
فون ۴۹۸۱۹۵۸-۴۶۲۶۷۶-۴۶۱۹۵۸

عزیزم مفتی محمد نعیم صاحب سلمہ نے احقر کی کتاب معارف مثنوی کی حکایات کو نئے عنوانات و ترتیب اور مشکل الفاظ کے معانی کے ساتھ مثنوی مولانا روم کے ایمان افروز واقعات کے نام سے شائع کیا ہے۔ احقر نے جستہ جستہ مختلف مقامات کو دیکھا اور بہت مفید پایا۔ اللہ تعالیٰ مفتی صاحب کی مساعی کو قبول فرماوے اور امت کے لئے نافع بناوے۔ آمین۔

معارف مثنوی کا جو کام حق تعالیٰ نے محض اپنے کرم سے احقر کے ہاتھوں سے لیا اس میں مثنوی مولانا رومؒ کی نہایت ضروری اور مفید حکایات کا انتخاب اس طرز پر کیا گیا ہے کہ ہر حکایت کو مع اس کے مفید نتائج اور نصائح مکمل کر دینے کے بعد دوسری حکایت کا آغاز کیا گیا ہے جبکہ حضرت رومیؒ کے زمانہ سے لے کر آج تک سات سو برس کے اندر اس انداز کا کوئی انتخاب بشکل مجموعہ موجود نہ تھا چنانچہ سابقہ تمام تراجم و شروح میں ایک حکایت کے اندر متعدد حکایات داخل ہونے سے ان کو سمجھنے اور ان سے سبق حاصل کرنے میں بہت دقت ہوتی تھی اور وقت بھی بہت لگتا تھا۔ ہر حکایت علیحدہ جمع ہو جانے سے مثنوی مولانا رومؒ سے استفادہ آسان ہو گیا اسی لئے برصغیر کے اکابر علماء نے معارف مثنوی کی زبردست پذیرائی فرمائی اور دنیا کی مختلف زبانوں مثلاً انگریزی فرانسیسی اور گجراتی وغیرہ میں اس کے تراجم شائع ہو چکے ہیں۔ دوسرے یہ کہ معارف مثنوی، مثنوی رومیؒ کا محض لفظی ترجمہ نہیں ہے بلکہ ایک مستقل طرز تحریر ہے جو کہ حضرت شیخ پھولپوریؒ کی غلامی کے صدقہ میں محض حق تعالیٰ کی عطا ہے۔

پیش نظر رسالہ دراصل معارف مثنوی کے حصہ اول یعنی حکایات مثنوی کا جدید نام ہے کیونکہ مفتی صاحب نے نہایت دیانت کے ساتھ معارف مثنوی کے ایک ایک جملہ اور عبارت کو نقل کیا ہے البتہ آجکل کی اردو دانی کے معیار کو ملحوظ رکھتے ہوئے انہوں نے حکایات کو نئے عنوانات دے کر اور بعض الفاظ کے متبادل الفاظ لکھ کر نصائح کی توضیح سے عامۃ المسلمین اور خصوصاً انگریزی خواں طبقہ کے لئے استفادہ کو مزید آسان کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ شرف قبول عطا فرمائیں آمین۔

محمد اختر عفا اللہ عنہ
۲۶ رجب المرجب ۱۴۲۸ھ
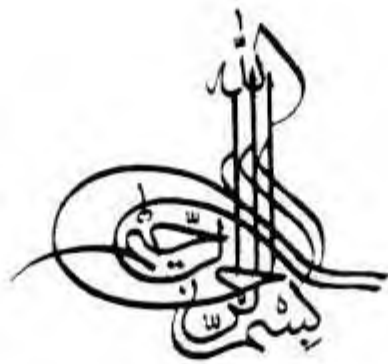
حضرت جعفر طیارؓ رضی اللہ عنہ کی بہادری کا واقعہ

ایک مرتبہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ ایک قلعہ کو فتح کرنے کے لئے تنہا اس قوت سے حملہ آور ہوئے کہ معلوم ہوتا تھا گویا وہ قلعہ ان کے گھوڑے کے تالو کے سامنے ایک گھونٹ کے برابر ہے۔ یہاں تک کہ قلعہ والوں نے خوف سے قلعہ کا دروازہ بند کرلیا اور کسی کی تاب نہ ہوئی کہ مقابلہ کے لئے ان کے سامنے آئے۔

بادشاہ نے وزیر سے مشورہ کیا کہ اس وقت کیا تدبیر کرنی چاہیے۔ وزیر نے کہا کہ تدبیر صرف یہی ہے کہ آپ جنگ کے تمام منصوبوں اور ارادوں کو ختم کر کے اس باہمت شخص کے سامنے تلوار اور کفن لے کر حاضر ہو جائیے اور ہتھیار ڈال دیجئے۔ بادشاہ نے کہا کہ آخر وہ تنہا ایک شخص ہی تو ہے پھر ایسی رائے مجھے کیوں دی جاتی ہے؟ وزیر نے کہا کہ آپ اس شخص کی تنہائی کو بے وقعتی کی نگاہ سے نہ دیکھئے، ذرا آنکھیں کھولیے اور

قلعہ کو دیکھئے کہ سیماب (پارہ) کی طرح لرزاں اور کانپ رہا ہے اور اہلِ قلعہ کو دیکھئے کہ بھیڑوں کی طرح گردنیں نیچی کیے، سہمے ہوئے ہیں...... یہ شخص اگر چہ تنہا ہے لیکن اس کے سینہ میں جو دل ہے وہ عام انسانوں جیسا نہیں ہے...... اس کی عالی ہمتی دیکھئے کہ اتنی بڑی مسلح اکثریت کے سامنے تنہا ننگی تلوار لئے کس ثابت قدمی اور فاتحانہ انداز میں اعلانِ جنگ کر رہا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مشرق و مغرب کی تمام فوجیں اس کے ساتھ ہیں۔ وہ تنہا بمنزلہ لاکھوں انسانوں کے ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ قلعہ سے جو سپاہی بھی اس کے مقابلہ کے لئے بھیجا جاتا ہے، وہ مقتول ہو کر اس کے گھوڑے کی ٹاپ کے نیچے پڑا نظر آتا ہے۔ جب میں نے ایسی عظیم الشان انفرادیت دیکھ لی تو پھر اے بادشاہ! آپ کی اس اکثریت سے کچھ بھی نہ بن پائے گا۔ آپ کثرتِ عدد کا اعتبار نہ کریں۔ اصل چیز جمعیتِ قلب ہے اور یہ قوت اس شخص کے قلب میں بے پناہ اور بہت زیادہ موجود ہے اور یہ نعمت اس وقت حاصل ہوتی ہے جب اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنے نفس کی گناہوں والی خواہشات کو کچلنے کے بعد اللہ تعالیٰ کا محبت و عظمت بھرا تعلق حاصل ہو جاتا ہے۔ اور اس نعمت کو تم اس حالتِ کفر میں ہرگز حاصل نہیں کر سکتے۔ لہٰذا فی الحال تمہارے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ اس جانباز مردِ مومن کے سامنے ہتھیار ڈال دو اور قلعہ کا دروازہ کھول دو، کیونکہ یہ اکثریت بالکل بے کار ہے۔

مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بعض اقلیت کے سامنے اکثریت کی کمزوری اور ضعف کو چند مثالوں سے سمجھاتے ہیں:

مثال نمبر ۱: دیکھیے! بے شمار ستارے روشن ہوتے ہیں، لیکن ایک سورج طلوع ہو کر سب کو ماند کر دیتا ہے۔

مثال نمبر ۲: اگر ہزاروں چوہے اپنے اپنے بلوں سے کسی لاغر ونہایت درجہ بیمار بلی پر ایک دم حملہ کر بیٹھیں تو بتقاضائے عقل ان کو فتح ہونی چاہیے۔ ایک دو چوہے اس کی گردن پکڑلیں، ایک دو اس کی آنکھیں نکال لیں، ایک دو اس کے کان اپنے دانتوں سے چیر ڈالیں اور ایک دو اس کے پہلو میں سوراخ کر کے اندر گھس جائیں اور اندرونی جسم کے تمام اعضاء کو چبا ڈالیں، لیکن مشاہدہ اس کے خلاف ہے، چنانچہ جونہی وہ لاغر ونحیف بلی میاؤں کرتی ہے، ان ہزار چوہوں کی اکثریت غلبۂ ہیبت وخوف سے ایک دم فرار ہوجاتی ہے۔ اس میاؤں کو سنتے ہی ان کے کانوں میں اپنی پرانی شکستوں کی خوفناک ضربیں گونج اٹھتی ہیں اور بلی کے دانتوں اور پنجوں کی ظالمانہ پکڑ کا تصور ان کو راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیتا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ چوہوں کے سینوں میں جو دل ہیں اور بلی کے سینہ میں جو دل ہے اس میں فرق ہے، بلی کے دل میں جو شجاعت اور ہمت ہے، وہ چوہوں کے قلوب میں نہیں۔ پس چوہوں کی اتنی بڑی جماعت کا ایک بلی کے سامنے حواس باختہ ہوجانا اس امر کی دلیل ہے کہ بلی کی جان میں روحانی طاقت ہے، ورنہ ظاہری قوت کے لحاظ سے بلی کا بچنا ناممکن ہے۔ معلوم ہوا کہ تعداد کوئی چیز نہیں، جمعیت اور ہمت اصل ہے۔

مثال نمبر ۳: بھیڑ اور بکریاں لاکھوں کی تعداد میں ہوں لیکن قصاب کے ایک چھرے کے سامنے اتنی بڑی اکثریت کی کوئی حیثیت نہیں۔

مثال نمبر ٤: خیالات اور ظاہری اعضاء کی اکثریت پر نیند یک دم طاری ہوکر سب کو ختم کر دیتی ہے۔

مثال نمبر ٥: جنگل میں لاکھوں بڑے بڑے سینگوں والے جانوروں پر

ایک شیر کتنی دلیری سے حملہ کرتا ہے اور سب پر تنہا غالب آجاتا ہے، جس جانور کو چاہتا ہے اپنی خوراک بنالیتا ہے۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے، کہ اصل طاقت اللہ تعالیٰ کے تعلق کی روحانی طاقت ہے۔ تعلق مع اللہ سے سرشار ایک سپاہی اپنی باطنی طاقت اور شجاعت کی بنیاد پر ان ہزاروں افراد پر بآسانی غلبہ حاصل کرسکتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے تعلق کی اس عظیم روحانی قوت سے محروم ہوں۔ یہی وہ روحانی طاقت تھی کہ جس کی برکت سے گنتی کے ساٹھ مجاہدینِ اسلام نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں رومیوں کے ساٹھ ہزار فوجیوں کو عبرتناک شکست دی اور ان کی کشتوں کے پشتے لگادیئے۔

اس واقعہ سے ہمیں یہ بھی سبق ملتا ہے کہ ہم اہلِ اسلام اپنی تعداد کے تھوڑے اور اسلحہ کے کم ہونے کی فکر میں زیادہ وقت صرف نہ کریں، بلکہ اصل روحانی طاقت "تعلق مع اللہ" کے حصول کی فکر کریں۔

حضرت سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

ایک رات حضرت سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شاہی لباس اتار کر عام لباس میں رعیت کی نگرانی کے لئے تنہا گشت فرما رہے تھے کہ اچانک چوروں کے ایک گروہ کو دیکھا کہ آپس میں کچھ مشورہ کر رہا ہے۔ چوروں نے سلطان محمود رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو دیکھ کر دریافت کیا کہ اے شخص! تو کون ہے؟

بادشاہ نے کہا کہ میں بھی تم ہی میں سے ایک ہوں، وہ لوگ سمجھے کہ یہ بھی کوئی چور ہے، اس لئے انہیں بھی اپنے ساتھ لے لیا۔ پھر آپس میں باتیں کرنے لگے اور یہ مشورہ ہوا کہ ہر ایک اپنا اپنا ہنر بیان کرے تاکہ چوری کرنے میں وہی کام اس کے سپرد کر دیا جائے۔

ایک نے کہا، صاحبو! میں اپنے کانوں میں ایسی خاصیت رکھتا ہوں کہ کتا جو کچھ اپنی آواز میں کہتا ہے، میں سب سمجھ لیتا ہوں کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔

دوسرے نے کہا کہ میری آنکھوں میں ایسی خاصیت ہے کہ جس شخص کو اندھیری رات میں دیکھ لیتا ہوں اس کو دن میں بلاشک وشبہ پہچان لیتا ہوں۔

تیسرے نے کہا کہ میرے بازوؤں میں ایسی خاصیت ہے کہ میں ہاتھ کے

زور سے نقب لگا لیتا ہوں یعنی گھر میں داخل ہونے کے لئے مضبوط دیوار میں بھی ہاتھ سے سوراخ کر دیتا ہوں۔

چوتھے نے کہا کہ میری ناک میں ایسی خاصیت ہے کہ مٹی سونگھ کر معلوم کر لیتا ہوں کہ اس جگہ خزانہ مدفون ہے یا نہیں۔

پانچویں نے کہا کہ میرے پنجہ میں ایسی قوت ہے کہ محل خواہ کتنا ہی بلند ہو، لیکن میں اپنے پنجہ کے زور سے کمند کو اس محل کے کنگرہ میں مضبوط لگا دیتا ہوں اور اس طرح مکان میں آسانی سے داخل ہو جاتا ہوں۔

پھر سب نے مل کر بادشاہ سے دریافت کیا کہ اے شخص! تیرے اندر کیا ہنر ہے، جس سے چوری کرنے میں مدد مل سکے۔

بادشاہ نے جواب دیا: ''میری داڑھی میں ایسی خاصیت ہے کہ پھانسی کے مجرموں کو جب جلاّدوں کے حوالے کر دیا جاتا ہے، اس وقت اگر میری داڑھی ہل جاتی ہے تو سب اسی وقت رہائی پا جاتے ہیں، یعنی جب میں رحم کھا کر داڑھی ہلا دیتا ہوں تو مجرمین کو قتل کی سزا سے فی الفور نجات حاصل ہو جاتی ہے''

یہ سنتے ہی چوروں نے کہا: ''اے ہمارے قطب، ہمارے سردار! چونکہ مصیبت والے دن خلاصی کا ذریعہ آپ ہی ہیں یعنی کہ ہم پکڑے جائیں تو آپ کی برکت سے چھوٹ جائیں گے اس لئے اب ہم سب کو بے فکری ہوگئی کیونکہ اَوروں کے پاس تو صرف ایسے ہنر تھے جن سے چوری کی تکمیل ہوتی تھی، لیکن سزا کے خطرہ سے بچانے کا ہنر کسی کے پاس نہ تھا، یہی کسر باقی تھی جو آپ کی وجہ سے پوری ہوگئی اور سزا کا خطرہ بھی ختم ہوگیا۔ بس اب کام میں لگ جانا چاہیے۔ اس مشورہ کے بعد سب نے خود بادشاہ محمود

غزنوی کے محل کی طرف رخ کیا اور بادشاہ خود بھی چوروں کے بھیس میں ان کے ہمراہ ہوگیا۔ راستہ میں کتا بھونکا تو کتے کی آواز سمجھنے والے چور نے کہا کہ کتے نے کہا ہے کہ تمہارے ساتھ بادشاہ بھی ہے، لیکن اس کی بات کی طرف چوروں نے دھیان نہ دیا کیونکہ لالچ ہنر پر پردہ ڈال دیتی ہے۔

دوسرے چور نے خاک سونگھی اور بتادیا کہ شاہی خزانہ یہاں ہے۔ تیسرے چور نے کمند پھینکی اور شاہی محل میں داخل ہوگیا۔ نقب زن نے نقب لگادی قیمتی سامان لوٹا اور آپس میں خزانہ تقسیم کرلیا اور جلدی جلدی ہر ایک نے حصے میں آنے والا چوری کا مال چھپالیا۔ بادشاہ نے ہر ایک کا حلیہ پہچان لیا اور ہر ایک کی قیام گاہ کے راستوں کو یاد کرلیا اور اپنے کوان سے چھپا کر شاہی محل کی طرف واپس آ گیا۔

بادشاہ نے دن کو عدالت میں شب کا تمام ماجرا بیان کر کے سپاہیوں کو حکم دیا کہ سب کو گرفتار کرلو اور سزائے قتل سنادو۔ چنانچہ جب وہ سب کے سب مشکیں کسی ہوئی عدالت میں حاضر ہوئے تو تختِ شاہی کے سامنے ہر ایک خوف سے کانپنے لگا لیکن وہ چور کہ جس کے اندر یہ خاصیت تھی کہ جس کو اندھیری رات میں دیکھ لیتا دن میں بھی اس کو بے شبہ پہچان لیتا، وہ مطمئن تھا۔ اس پر خوف کے ساتھ رجاء وامید کے آثار بھی نمایاں تھے، قہرِ انتقامی سے، خوف اور لطفِ سلطانی کا امیدوار تھا کہ حسبِ وعدہ جب مراحمِ خسرانہ سے داڑھی ہل جائے گی تو فی الفور خلاصی ہووے گی اور حسبِ وعدہ میں اپنے تمام گروہ کو بھی چھڑالوں گا کیونکہ حسن اخلاق کی بناء پر بادشاہ اپنے جان پہچان والے سے اعراض نہ کرے گا، بلکہ درخواست قبول کر کے سب کو چھوڑ دے گا۔

اس شخص کا چہرہ خوف اور امید سے کبھی زرد، کبھی سرخ ہو رہا تھا کہ بادشاہ محمود

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جلالتِ خسروانہ اور شاہی رعب وجلال کے ساتھ حکم نافذ فرمایا کہ ان سب کو جلاّ دوں کے سپرد کر کے سولی پر لٹکا دو اور چونکہ اس مقدمہ میں بادشاہ خود گواہ ہے اس لئے کسی اور کی گواہی ضروری نہیں۔

یہ سنتے ہی اس چور نے دل کو سنبھال کر ادب سے عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں۔ (اجازت حاصل کر کے) اس نے کہا: حضور! ہم میں سے ہر ایک نے تو اپنے مجرمانہ ہنر کی تکمیل کر دی، اب شاہانہ ہنر کا ظہور حسبِ وعدہ فرما دیا جائے، میں نے آپ کو پہچان لیا ہے، آپ نے وعدہ فرمایا تھا کہ میری داڑھی میں ایسی خاصیت ہے کہ اگر کرم سے ہل جائے تو مجرم خلاصی پا جائے، لہٰذا اے بادشاہ سلامت! اب اپنی داڑھی ہلا دیجئے تاکہ آپ کے لطف کے صدقہ میں ہم سب اپنے جرائم کی عقوبت وسزا سے نجات پا جائیں۔ ہمارے ہنروں نے تو ہمیں سولی تک پہنچا دیا، اب صرف آپ ہی کا ہنر ہمیں اس عذاب سے نجات دلا سکتا ہے۔ آپ کے ہنر کے ظہور کا یہی وقت ہے، جی ہاں کرم سے جلد داڑھی ہلائیے، کیونکہ خوف سے ہمارے کلیجے منہ کو آرہے ہیں۔ اپنی داڑھی کی خاصیت سے ہم سب کو جلد مسرور فرما دیجئے۔

سلطان محمود رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس گفتگو سے مسکرایا اور اس کا دریائے کرم مجرمین کی فریاد وآہ وزاری سے جوش میں آگیا، ارشاد فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص نے اپنی اپنی خاصیت دکھا دی، حتی کہ تمہارے کمال اور ہنر نے تمہاری گردنوں کو عذاب میں مبتلا کر دیا۔ سوائے اس شخص کے کہ یہ سلطان کا عارف تھا اور اس کی نظر نے رات کی تاریکی میں ہمیں دیکھ لیا تھا اور ہمیں پہچان لیا تھا پس اس شخص کی اس نگاہ کے صدقہ میں تم سب کو رہا کرتا ہوں۔ مجھے اس پہچاننے والی آنکھ سے شرم آتی ہے کہ میں اپنی داڑھی کا ہنر

ظاہر نہ کردوں۔

مذکورہ بالا واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ اگر ہم اس دنیا کے ظلمت کدہ اور تاریکی میں اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھنے والی نظر حاصل کرلیں تو کل قیامت کے دن کی عدالت میں جب ان گناہوں کی وجہ سے عذاب جہنم کے مستحق ہوں گے جن کو دنیا میں بڑا کمال اور ہنر سمجھتے تھے۔ تو یہ نگاہِ رحمت شناس کی برکت سے خلاصی ممکن ہو سکے گی...... ہمیں یہ بھی سبق ملتا ہے کہ اگر ہم خود ایسی معرفت والی نظر سے محروم ہوں تو ایسے عارف باللہ اور اللہ والے کی صحبت و معیت اختیار کرلیں کہ جس کی نگاہِ معرفت کے صدقے ہم گناہگاروں اور مجرموں پر اللہ تعالیٰ کرم فرماتے ہوئے دوزخ کی آگ سے نجات عطا فرمادیں۔

ایک نقاب پوش بزرگ کا واقعہ

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک نقاب پوش بزرگ زمانۂ جاہلیت میں عرب کے کسی علاقے کے بادشاہ تھے، یہ پہلے عشقِ مجاز (عورتوں اور بے ریش لڑکوں کے عشق) میں مبتلا تھے اور بہت اچھے شاعر تھے۔ حکومت اور ملک کے حریص تھے۔ جب اللہ تعالیٰ کے عشقِ حقیقی نے ان کے دل پر اثر کیا تو حکومت و سلطنت تلخ معلوم ہونے لگی۔ ایک دفعہ

اللہ تعالیٰ کی محبت میں بے چین ہو کر بادشاہ آدھی رات کو اٹھا، گدڑی اوڑھی اور اپنی سلطنت سے باہر نکل گیا، دل میں عشقِ الٰہی کی آگ پیدا ہو چکی تھی۔ سلطنت کا شور وغل محبوبِ حقیقی کی یاد میں رکاوٹ بن رہا تھا۔ آخر کار پیانۂ صبر چھلک گیا، ایک چیخ ماری اور دیوانہ وار صحرا کی طرف چل دیا۔ اس عاشقِ صادق کی سچی آہ نے اس کو سلطنت کے مضبوط قید و بند سے آزاد کر دیا۔

چنانچہ عشقِ حقیقی نے اس بادشاہ کو تخت و تاج سے بے زار کر کے آدھی رات کو جنگل کا راستہ اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔

سنگلاخ پہاڑوں، دریاؤں، صحراؤں سے دیوانہ وار گذرتا ہوا وہ بادشاہ اپنی حدودِ سلطنت سے نکل کر دوسرے ملک تبوک کی سرحد میں داخل ہو گیا اور چہرہ پر نقاب ڈال لی تاکہ عام لوگ پہچان نہ سکیں کہ یہ گدڑی پوش کسی ملک کا رئیس یا بادشاہ ہے۔ ملکِ تبوک میں اس بادشاہ پر جب کئی فاقے گزر گئے تو ضعف و نقاہت سے مجبور ہو کر مزدوروں کے ساتھ اینٹیں بنانے لگا۔ عام حالات میں اگرچہ چہرے پر نقاب پڑا رہتا تھا لیکن جب کبھی ہوا کے جھونکوں سے ہٹ جاتا تو شاہی چہرے کا جلال مزدوروں پر ظاہر ہو جاتا۔ آخر کار مزدوروں میں تذکرے ہونے لگے کہ یہ نقاب پوش کسی ملک کا سفیر یا کسی سلطنت کا بادشاہ معلوم ہوتا ہے۔ رفتہ رفتہ یہ خبر ساری سلطنت میں مشہور ہو گئی اور تبوک کے بادشاہ تک بھی پہنچ گئی۔

اُدھر بادشاہ کو فکر ہوئی کہ مزدور کے بھیس میں کسی دوسری سلطنت کا بادشاہ یا سفیر کہیں جاسوسی نہ کر رہا ہو اور میری سلطنت کے راز معلوم کر کے حملہ آور ہونے کا منصوبہ نہ بنا رہا ہو، تحقیق کرنی چاہیے کہ ماجرا کیا ہے۔ شاہِ تبوک نے فوراً سامانِ سفر

باندھا اور خفیہ طور پر حالات معلوم کرنے کے لیے مزدوروں کے جھرمٹ میں گھس گیا، جہاں وہ نقاب پوش اینٹیں بنا رہا تھا۔ بادشاہ نے اس کے علاوہ تمام مزدوروں کو دور ہٹا دیا اور اس کا نقاب اٹھا دیا اور بادشاہ نے اس کے چہرہ کی رونق کو دیکھتے ہی پہچان لیا کہ بادشاہ معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ بادشاہ نے ان سے دریافت کیا کہ آپ اپنے صحیح حالات سے مجھے آگاہ کیجئے، آپ کا یہ روشن چہرہ شہادت دیتا ہے کہ آپ کسی ملک کے بادشاہ ہیں لیکن آپ نے یہ فقیری اور مسکینی کس وجہ سے اختیار کی ہے؟

تبوک کے بادشاہ نے مزید متاثر ہوکر کہا: آپ نے اپنی راحت اور بادشاہت کو اس کلفت وفقر کی تکلیف پر قربان کیا، اے عالی حوصلہ! آپ کی اس ہمت پر میری یہ سلطنتِ تبوک ہی نہیں بلکہ سینکڑوں سلطنتیں قربان ہوں، مجھے جلد اپنے راز سے آگاہ کیجئے، اگر آپ میرے پاس مہمان رہیں تو میری خوش نصیبی ہوگی اور آپ کے قرب سے میری جان خوشی سے سو جان کے برابر ہوجائے گی۔

اس طرح بہت سی ترکیبوں سے شاہِ تبوک فقیری کے لباس میں چھپے ہوئے بادشاہ سے دیر تک باتیں کرتا رہا، تاکہ اس کا راز کھل کر سامنے آجائے، لیکن راز ونیاز کی گفتگو کے بجائے اس نقاب پوش بادشاہ نے شاہِ تبوک کے کان میں محبوب حقیقی، اللہ تعالیٰ کے درد وعشق کی نہ جانے کیا بات کہہ دی کہ اسی وقت یہ بادشاہِ تبوک بھی عشقِ الٰہی سے دیوانہ ہوگیا اور اپنی سلطنت کو ترک کرکے اس نقاب پوش بزرگ بادشاہ کے ساتھ رہنے کے لئے تیار ہوگیا۔ آدھی رات کو یہ دونوں بادشاہ اس ملک سے نکل کر کسی اور سلطنت میں چل دیئے تاکہ مخلوق پریشان نہ کرے اور دل کی فراغت کے ساتھ محبوبِ حقیقی کی یاد میں مشغولی نصیب ہو۔ یہ دونوں بہت دور تک چلتے رہے، یہاں تک

کہ کسی تیسری سلطنت میں داخل ہو گئے۔

الغرض بادشاہت کو چھوڑ کر آنے والے اس عاشقِ صادق نقاب پوش کی بات میں نہ جانے کیسی لذت تھی کہ شاہِ تبوک پر سلطنت کی تمام لذتیں حرام ہو گئیں، سارے عیش اس لذت کے سامنے ہیچ ہو گئے اور دل میں عشقِ الٰہی کا ایک دریا جوش مارنے لگا۔

مذکورہ بالا واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

اس قصہ سے ہمیں سبق ملتا ہے کہ دنیا کی تمام لذتوں کے خالق اللہ تعالیٰ کے عشق و محبت کی لذت ایسی لذت ہے کہ ساری دنیا کی لذتیں اور مزے اس کے سامنے کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتے۔

اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص عشق حقیقی کی دولت سے محروم ہو تو اپنے آپ کو کسی کامل اللہ والے کے قدموں میں فنا کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی یہ دولت عطا فرما دیں گے۔

حضرت سلطان شاہ ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کے ولی اللہ بننے کا واقعہ

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ بلخ کے بادشاہ ابراہیم بن ادھم رات کو محل کے بالا خانے پر سو رہے تھے کہ اچانک پاؤں کی آہٹ محسوس ہوئی، گھبرائے کہ رات کے وقت شاہی بالا خانہ کی چھت پر کون لوگ ایسی جرأت کر سکتے ہیں، بادشاہ نے دریافت کیا کہ کون ہیں؟

یہ فرشتے تھے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے غفلت زدہ دل پر چوٹ لگانے آئے تھے۔

فرشتوں نے جواب دیا کہ ہم یہاں اپنا اونٹ تلاش کر رہے ہیں۔

بادشاہ نے کہا کہ حیرت ہے کہ شاہی بالا خانہ پر اونٹ تلاش کیا جا رہا ہے۔

ان حضرات نے جواب دیا کہ ہمیں اس سے زیادہ حیرت آپ پر ہے کہ اس ناز پروری اور عیش کی زندگی میں اللہ تعالیٰ کو تلاش کیا جا رہا ہے۔

چنانچہ یہ کہہ کر وہ فرشتے تو غائب ہو گئے لیکن بادشاہ کے دل پر ایسی چوٹ لگ

گئی کہ ملک وسلطنت سے دل سرد ہوگیا۔ اور دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت کی دولت پیدا ہوگئی۔

الغرض عشقِ حقیقی نے حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ترکِ سلطنت پر مجبور کردیا اور واقعی حقیقت بھی یہی ہے کہ عشقِ الٰہی کائنات کی تمام لذتوں سے دل کو بیزار کردیتا ہے۔

آخر کار آدھی رات کو بادشاہ اٹھا، کمبل اوڑھا اور اپنی سلطنت سے نکل پڑا۔ سلطنتِ بلخ ترک کرکے حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نیشاپور کے صحرا میں اللہ تعالیٰ کی یاد اور نعرۂ عاشقانہ بلند کرنے میں مشغول ہوگئے۔ دس برس تک صحرائے نیشاپور میں دیوانہ وار عبادت میں مصروف رہے۔

کیونکہ تمام خواہشاتِ نفسانیہ اور ظاہری آرائشوں سے اللہ تعالیٰ نے دل پاک کردیا تھا، کہاں تاج وتختِ شاہی اور کہاں اب دریا کے کنارے بیٹھے ہوئے گدڑی سی رہے ہیں!!

ایک دن سلطنتِ بلخ کا وزیر اس طرف سے گزرا۔ بادشاہ کو اس حال میں دیکھ کر اس وزیر روحانی مریض نے انہیں حقارت کی نظر سے دیکھا اور دل میں سوچنے لگا کہ یہ کیا حماقت ہے۔

حضرت سلطان ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو بذریعۂ کشف علم ہوا کہ یہ شخص میری اللہ تعالیٰ کی محبت میں اختیار کی جانی والی فقیری پر حیران ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندے کی کرامت اور باطنی سلطنت کی شوکت کا اظہار فرمایا تاکہ وزیر کو اپنے بُرے گمان پر ندامت ہو، اور معلوم ہوجائے کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق کے بعد کیا

نعمت حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم ابن ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے فوراً اپنی سوئی دریا میں پھینک دی، اور بآوازِ بلند دعا فرمائی کہ اے اللہ! میری سوئی عطا فرمادی جائے، دریا کی سطح پر فوراً ہزاروں مچھلیاں نمودار ہوگئیں، جن کے لبوں پر ایک ایک سونے کی سوئی تھی۔

ان مچھلیوں نے دریا سے اپنے سروں کو نکال کر عرض کیا کہ اے شیخ! اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ یہ سوئیاں قبول فرمائیے۔

جب اس وزیر نے یہ کرامت دیکھی تو اپنے بُرے خیالات پر اور اپنی بے خبری پر سخت نادم ہوا اور شرمندگی و ندامت سے ایک آہ کھینچی اور کہنے لگا:

''افسوس کہ مچھلیاں اس شیخِ کامل کے مقام سے آگاہ ہیں اور میں انسان ہو کر ناواقف ہوں۔ میں بد بخت اور اس دولت سے محروم ہوں جبکہ مچھلیاں اس معرفت سے سعادت مند و نیک بخت ہیں۔ یہ خیال کر کے اس وزیر پر گریہ طاری ہوگیا، دیر تک روتا رہا اور اس گریۂ ندامت اور شیخِ کامل کی تھوڑی سی دیر کی صحبت کی برکت سے اس وزیر کی کایا پلٹ گئی اور اللہ تعالیٰ کی محبت دل میں پیدا ہوگئی، اپنے خاص بندوں کی صحبت میں اللہ تعالیٰ نے یہی برکت رکھی ہے کہ شقاوت، سعادت سے بدل جاتی ہے۔

حضرت سلطان ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس وزیر سے ارشاد فرمایا کہ اے امیر! یہ دل کی سلطنت بہتر ہے یا وہ بلخ کی حقیر فانی سلطنت۔

شاہِ بلخ کی صحبت سے جب اس وزیر کو باطنی سلطنت حاصل ہوگئی تو اسی لمحہ وزارت سے دست بردار گیا اور سلطان کے ساتھ صحرا نشینی اختیار کر لی، جس شخص نے عمر بھر عقل کی غلامی کی تھی بالآخر اس کا کام دیوانگی سے ہی بنا۔

مذکورہ بالا واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ جب تک بندہ اپنی نفسانی خواہشات اور گناہوں کی لذتوں کو نہیں چھوڑتا اس وقت تک وہ بندہ باطنی سلطنت اللہ تعالیٰ کی محبت کی دولت سے محروم رہتا ہے، اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بندہ جب اللہ تعالیٰ کا ولی بن جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات میں اس کے لیے محبت اور پیار پیدا فرما کر اس کی دنیاوی فانی عزت کے بدلے باقی رہنے والی، حقیقی عزت عطا فرما دیتے ہیں۔

ایک بوڑھے گلوکار کی توبہ کا سبق آموز واقعہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں ایک نوجوان شخص جو بڑی خوش الحانی کے ساتھ ستار (بجانے کا آلہ) بجایا کرتا تھا، اس کی سریلی آواز پر مرد، عورت، بچے بھی قربان تھے، اگر کبھی مست ہو کر گاتا ہوا جنگل سے گزر جاتا تو چرند پرند اس کی آواز سننے کے لئے جمع ہو جاتے، رفتہ رفتہ جب یہ بوڑھا ہوا اور آواز بڑھاپے کے سبب بھدی ہو گئی تو آواز کے عاشق بھی رفتہ رفتہ کنارہ کش ہو گئے۔ اب بڑھاپے میں جدھر سے گزرتا کوئی پوچھنے والا نہیں، نام وشہرت سب رخصت ہو گئے، فاقوں پر فاقے گزرنے لگے، لوگوں کی اس خود غرضی کو سوچ کر ایک دن بہت غمزدہ ہوا، اور دل

میں کہنے لگا کہ اے میرے اللہ! جب میں خوش آواز تھا تو مخلوق مجھ پر پروانہ وار گرتی تھی اور ہر طرف میری خاطر تواضع ہوتی تھی، اب بڑھاپے سے آواز خراب ہوگئی تو یہ خواہش پرست اور خود غرض لوگ میرے سایہ سے بھی بھاگنے لگے، ہائے! ایسی بے وفا مخلوق سے میں نے دل لگایا، یہ تعلق کس درجہ پُرفریب تھا، کاش! میں آپ کی طرف رجوع ہوا ہوتا اور اپنے شب و روز آپ ہی کی یاد میں گزارتا اور آپ ہی سے امیدیں رکھتا تو آج یہ دن نہ دیکھتا۔

بوڑھا گلوکار دل ہی دل میں نادم ہو رہا تھا اور آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت نے اس کے دل کو اپنی طرف کھینچ لیا۔

چنانچہ بوڑھے گلوکار نے ایک آہ کھینچی اور مخلوق سے منہ موڑ کر دیوانہ وار مدینہ منورہ کے قبرستان کی طرف روانہ ہوگیا اور ایک پرانی و شکستہ قبر کے غار میں جا بیٹھا اور دعا کرنے لگا۔

روتے ہوئے اس نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے اللہ! آج میں تیرا مہمان ہوں، جب ساری مخلوق نے مجھے چھوڑ دیا تو اب بجز تیری بارگاہ کے میرے لئے کوئی پناہ گاہ نہیں ہے اور بجز تیرے کوئی میری اس آواز کا خریدار نہیں ہے۔ اے اللہ! آشنا، بیگانے ہو چکے اور اپنے، پرائے ہو چکے، اب سوائے آپ کے میری کوئی پناہ گاہ نہیں ہے۔ اے اللہ! میں بڑی امیدیں لے کر آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں، اپنی رحمت سے آپ مجھے نہ ٹھکرایئے۔

پرانی قبر کے اس غار میں بوڑھا گلوکار اس طرح آہ وزاری میں مشغول تھا اور آنکھوں سے خونِ دل بہہ رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا دریائے رحمت جوش میں آگیا اور حضرت

عمر رضی اللہ عنہ کو الہام ہوا کہ اے عمرؓ! میرا فلاں بندہ جو اپنی خوش آوازی کے سبب زندگی بھر مخلوق میں مقبول و محبوب رہا ہے، اور اب بڑھاپے کی وجہ سے آواز خراب ہو جانے سے ساری خلقت نے اسے چھوڑ دیا ہے اور اس کے روزگار کے ذرائع کا ختم ہونا اور ناکامی کا غم اس کی ہدایت کا اور میری طرف رجوع کا سبب بن گیا ہے، تو اب میری وسعتوں والی رحمت اس کی خریدار ہے۔ اگرچہ زندگی بھر وہ نافرمان و غافل رہا ہے، لیکن میں اس کی آہ وزاری کو قبول کرتا ہوں، کیونکہ میری بارگاہ کے علاوہ میرے بندوں کے لئے کوئی اور جائے پناہ نہیں۔

پس اے عمر! آپ بیت المال سے کچھ معتد بہ رقم لے کر اس قبرستان میں جائیے اور میرے بندۂ عاجز و بے قرار کو میرا اسلام پیش کیجئے، پھر یہ رقم پیش کر کے کہہ دیجئے کہ آج سے حق تعالیٰ نے تجھے اپنا مقرب بنالیا ہے اور اپنے فضل کو تیرے لئے خاص کر دیا ہے۔ اب تجھے غمزدہ ہونے کی ضرورت نہیں اور نہ ہی مخلوق کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت ہے۔

اے عمر! میرے اس بندے سے کہہ دو کہ حق تعالیٰ نے ہمیشہ کے لئے غیب سے تیری روزی کا انتظام کر دیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جس وقت غیب سے یہ آواز سنی تو بے چین ہو گئے، فوراً اٹھے اور بیت المال سے کچھ رقم لے کر قبرستان کی طرف چل دیئے، وہاں پہنچ کر دیکھتے ہیں کہ ایک پرانی اور ٹوٹی قبر کے غار میں ایک بوڑھا آدمی ستار لئے ہوئے سو گیا ہے اور اس کا چہرہ اور داڑھی آنسوؤں سے تر ہے، جی ہاں! اسی اشکِ ندامت سے اس کو یہ مقام ملا ہے۔

خلیفۂ وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس پرانی قبر کے سامنے باادب کھڑے ہوئے انتظار فرما رہے تھے کہ بوڑھا گلوکار بیدار ہوتو ان سے اللہ تعالیٰ کا سلام پیام عرض کروں۔ اسی اثناء میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو چھینک آ گئی جس سے اس کی آنکھ کھل گئی، خلیفۃ المسلمین کو دیکھ کر مارے خوف کے وہ کانپنے لگا کہ اس ستار کی وجہ سے نہ جانے آج مجھ پر کتنے دُرّے پڑیں گے، کیونکہ عہدِ خلافتِ عمر رضی اللہ عنہ میں دُرّۂ فاروقی کی بڑی شہرت تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ بوڑھا گلوکار کانپ رہا ہے تو ارشاد فرمایا کہ ڈرو نہیں! میں تمہارے رب کی طرف سے تمہارے لئے بہت بڑی خوشخبری لایا ہوں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان مبارک سے بوڑھے گلوکار کو جب اللہ تعالیٰ کے الطاف وعنایات اور مہربانیوں کا علم ہوا تو اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت کے مشاہدہ سے اس پر شکر وندامت کا حال طاری ہوگیا۔

غلبۂ حیرت اور شرمندگی سے کانپنے لگا، اپنے ہاتھ کو ندامت سے چبانے لگا اور اپنے اوپر غصہ ہونے لگا۔ اپنی غفلت اور حق تعالیٰ کی رحمت کا خیال کر کے ایک چیخ ماری اور کہا کہ اے میرے بے مثل آقا! اپنی نالائقی اور غفلت کے باوجود آپ کی رحمتِ بے مثال کو دیکھ کر میں شرم سے پانی پانی ہو رہا ہوں۔ جب بوڑھا گلوکار خوب رو چکا اور اس کا درد حد سے گزر گیا تو اپنے ستار کو غصہ سے زمین پر پٹخ کر ریزہ ریزہ کر دیا اور اس کو مخاطب کر کے کہا کہ تو نے ہی مجھے اللہ تعالیٰ کی محبت ورحمت سے دور رکھا تھا، تو نے ہی ستر سال تک میرا خون پیا، یعنی تیرے ہی سبب لہو ولعب اور نافرمانی کرتے کرتے بوڑھا ہوگیا اور تیرے ہی سبب میرا چہرہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سیاہ تھا۔

اس بوڑھے شخص کی گریۂ وزاری اور آہ وبکاء سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کلیجہ منہ کو آرہا تھا اور آپ کی آنکھیں اشکبار ہورہی تھیں۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے شخص! تیری گریہ وزاری، تیری باطنی ہوشیاری کی دلیل ہے، تیری جان اللہ تعالیٰ کے قرب سے زندہ اور روشن ہوگئی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گنہگار کے آنسوؤں کی بڑی قیمت ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صحبتِ مبارکہ کے فیض سے وہ گلوکار پیرِ طریقت ہوگئے اور اکابر اولیاء اللہ کی صف میں داخل ہوگئے۔

مذکورہ بالا واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ انسان کو اپنی کسی بدحالی کی وجہ سے ناامید نہ ہونا چاہیے اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امیدوار رہنا چاہیے۔

اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا جتنے تعلقات ہیں، سب فانی ہیں اور ان میں کچھ بھی وفاداری کا مادہ نہیں۔ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات پاک ایسی کریم اور حیی وقیوم ہے جو ہر حال میں اپنے بندوں کی خریدار ہے۔ البتہ وہ محبت اور تعلق جو کسی کو کسی سے صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہو، وہ اللہ تعالیٰ ہی کی محبت میں داخل ہے۔

اس واقعہ سے ہمیں یہ بھی سبق ملتا ہے کہ عاجزی وانکساری اور توبہ واستغفار کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ قدر وقیمت ہے کہ زندگی بھر کی نافرمانیوں کو مٹا کر اللہ تعالیٰ کے انتہائی قریب کردیتی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور چرواہے کا واقعہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ایک مجذوب (اللہ تعالیٰ کی محبت میں دیوانہ) اور اللہ تعالیٰ کا عاشق، صادق، بکریاں چرایا کرتا تھا اور پہاڑوں کی گھاٹیوں میں مخلوق سے دور عشقِ الٰہی میں روتا پھرتا تھا اور اللہ تعالیٰ سے یوں دعا کیا کرتا تھا۔

اے خدا! اے میرے اللہ! آپ مجھ کو کہاں ملیں گے؟ اگر آپ مجھ کو مل جاتے تو میں آپ کا نوکر ہو جاتا اور آپ کی گدڑی سیا کرتا اور آپ کے سر میں کنگھی کیا کرتا اور آپ کو کبھی بیماری پیش آتی تو میں آپ کی خوب غم خواری کرتا۔

اے اللہ! اگر میں آپ کا گھر دیکھ لیتا تو صبح و شام آپ کے لئے گھی، دودھ لایا کرتا اور آپ کے ہاتھ کو بوسہ دیتا اور آپ کے پیروں کی مالش کرتا اور جب آپ کے سونے کا وقت ہو جاتا تو آپ کے سونے کی جگہ کو جھاڑو سے خوب صاف کرتا۔

اے اللہ! آپ کے اوپر میری تمام بکریاں قربان ہوں، اے اللہ! بکریوں کے بہانے سے میں جو الفاظ ہائے ہائے کرتا ہوں، وہ دراصل آپ کی محبت کی تڑپ میں کرتا ہوں، بکریاں تو صرف بہانہ ہیں۔ الغرض وہ چرواہا اللہ تعالیٰ سے اپنے عشق کی بے چینی بیان کر رہا تھا۔

اس طرح وہ چرواہا محبت کی باتیں اپنے رب سے کررہا تھا کہ اچانک حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اس طرف سے گزر ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ باتیں سنیں تو ارشاد فرمایا:

اے چرواہے! کیا حق تعالیٰ کو نوکر کی ضرورت ہے؟ یا ان کا کوئی سر ہے کہ تو ان کے بالوں میں کنگھا کرے گا، یا ان کو بھوک لگتی ہے کہ تو ان کو بکریوں کا دودھ پلائے گا؟ کیا اللہ تعالیٰ بیمار ہوتے ہیں جو تو ان کی غم خواری کرے گا؟ اے جاہل! اللہ تعالیٰ کی ذات محتاجی کی تمام باتوں اور ہر عیب اور نقص سے پاک ہے۔ تو جلد توبہ کر، تیری ان باتوں سے کفر لازم آتا ہے۔ بے عقل کی دوستی بھی دشمنی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ تیری ان خدمات سے بے نیاز ہیں۔

اس چرواہے نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ باتیں سنیں تو بہت شرمندہ ہوا اور غلبۂ خوف اور مایوسی کے عالم میں انتہائی غمزدہ اور پریشان ہوکر گریبان پھاڑ ڈالا اور روتا ہوا جنگل کی طرف بھاگ گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی۔

> ''اے موسیٰ! تم نے میرے بندے کو مجھ سے کیوں جدا کردیا، تم کو میں نے بندوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے بھیجا ہے، نہ کہ جدا کرنے کے لئے، تمہارا کام وصل (جوڑنا) تھا نہ کہ فصل (توڑنا)''۔

مذکورہ بالا واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ کسی کو نصیحت کرتے وقت یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ ممکن ہے کہ وہ اللہ کے نزدیک مقبول ہو، کیونکہ بعض بندے مخلص اور عاشق ہوتے ہیں، اور نافرمانیوں سے بالکل محفوظ ہوتے ہیں، لیکن ظاہری طور پر ان کے الفاظ

آدابِ الوہیت کے خلاف ہوتے ہیں مگر یہ ان کا جوشِ عشق ہوتا ہے، بے ادبی کرنے کا ارادہ نہیں ہوتا۔

اس قصہ سے ہمیں یہ بھی سبق حاصل ہوتا ہے کہ کسی کو اتنی سخت نصیحت نہیں کرنا چاہیے جس کی وجہ سے وہ بندہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہو جائے۔ بلکہ نصیحت کرنے میں اعتدال اور میانہ روی کا خیال رکھنا چاہیے۔

حضرت لقمان علیہ السلام کی دانائی کا عجیب واقعہ

حضرت لقمان علیہ السلام کسی رئیس کے یہاں نوکری کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت اور تعلق کی برکت سے ان کے اندر بہت پاکیزہ اور اونچے اخلاق و عادات موجود تھے جن کی تفصیل حق تعالیٰ شانہ نے سورۂ لقمان میں بیان فرمائی ہے۔

حضرت لقمان علیہ السلام کے ان اونچے اخلاق کا ان کے آقا پر گہرا اثر ہوا، یہاں تک کہ رئیس نے ان کو اپنا مقرب و محبوب بنالیا اور دلی طور پر ان سے محبت کرنے لگا۔

پھر اس رئیس کا معمول ہو گیا کہ ہر نعمت کھانے سے پہلے حضرت لقمان علیہ السلام کی خدمت میں پیش کرتا اور جب لقمان علیہ السلام سیر ہو کر کھا لیتے تو بچا ہوا یہ رئیس

کھاتا۔ حضرت لقمان علیہ السلام اس رئیس کی محبت و عادت کی رعایت سے کھا لینے کے بعد بقیہ اس کے لئے بھیج دیا کرتے۔ ایک دن آقا کی خدمت میں کہیں سے خربوزے آئے، اس وقت حضرت لقمان علیہ السلام موجود نہ تھے، رئیس نے ایک غلام کو بھیجا کہ حضرت لقمان علیہ السلام کو بلا لاؤ۔ جب حضرت لقمان علیہ السلام تشریف لائے تو رئیس نے اپنے ہاتھ سے اس خربوزہ کی قاشیں بنائیں اور ایک ایک قاش محبت سے کھلاتا جاتا تھا اور دل ہی دل میں مسرور ہورہا تھا کہ میری اس محبت کا ان پر کیا اثر ہورہا ہوگا۔

حضرت لقمان علیہ السلام خوشی خوشی ہر قاش کھا لیتے اور شکر بجالاتے، یہاں تک کہ ستر قاشیں کھالیں اور ایک قاش باقی رہ گئی، تو اس رئیس نے کہا، کہ اس کو میں کھاؤں گا تاکہ دیکھوں کہ یہ خربوزہ کتنا شیریں تھا۔ یہ کہہ کر اس نے قاش کو منہ میں رکھا ہی تھا کہ اس کی تلخی سے زبان کی نوک سے حلق تک آبلے پڑ گئے اور ایک گھنٹہ تک بے ہوش رہا۔ جب افاقہ ہوا تو حضرت لقمان علیہ السلام سے عرض کیا کہ اے میرے پیارے! آپ نے کس طرح اس خربوزہ کو حلق سے اتارلیا؟ اور اس عذاب کو کس طرح لطف سمجھا؟ جب ایک قاش کھانے پر مجھ پر یہ بلا آئی تو ستر قاشوں کو آپ نے کس طرح برداشت کیا؟

حضرت لقمان علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ میرے آقا! آپ کے مبارک ہاتھ سے سینکڑوں نعمتیں کھائی ہیں، جن کے شکر کے بوجھ سے میری کمر جھک رہی ہے، پس مجھے اس بات پر شرم آئی کہ جس ہاتھ سے اس قدر نعمتیں ملی ہوں، اس ہاتھ سے آج اگر ایک کڑوی چیز عطا ہورہی ہے تو اس کا شکوہ کیوں کروں؟ اے میرے آقا! مٹھاس عطا فرمانے والے آپ کے ہاتھ کی لذت نے اس خربوزہ کی کڑواہٹ کو مٹھاس سے تبدیل

کر دیا۔

مذکورہ بالا واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

اس واقعہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ اگر کسی وقت کسی شخص کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی آزمائش یا تکلیف پہنچ جائے تو اسے صبر کرنا چاہیے۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس فیصلہ پر راضی رہنا چاہیے۔ مشکل اور مصیبت کے وقت یہ سوچنا چاہیے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی مصیبت اور پریشانی پہنچی بھی ہے تو کوئی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر وقت بے شمار نعمتیں بھی تو مل رہی ہیں۔

پہاڑ کے دامن میں رہنے والے ایک بزرگ کا واقعہ

ایک بزرگ آدمی پہاڑ کی گھاٹی میں گیا اور اللہ تعالیٰ سے عہد کیا کہ میں تمام دنیوی تعلقات سے رخ پھیر کر اب آپ کی عبادت میں یہاں مقیم رہوں گا اور بھوک سے جب تنگ حال ہوں گا تو آپ ہی کی طرف سے عطا کا منتظر رہوں گا، خود نہ کسی مخلوق سے سوال کروں گا، نہ اس جنگل کے درختوں سے کوئی پھل یا پتہ توڑ کر کھاؤں گا، البتہ جو پھل

خود بخود ہوا سے زمین پر گریں گے صرف ان کو کھا کر زندگی بسر کروں گا۔

ایک مدت تک یہ بزرگ اپنے عہد پر قائم رہا، یہاں تک کہ حق تعالیٰ کی طرف سے امتحانات شروع ہو گئے اور اس امتحان کی وجہ یہ تھی کہ اس بزرگ نے یوں نہ کہا تھا کہ انشاء اللہ میں اس عہد پر قائم رہوں گا۔ اس انشاء اللہ نہ کہنے کی وجہ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس بزرگ کی نظر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہٹ کر اپنی ہمت اور طاقت پر چلی گئی ہے اور اپنی عاجزی وانکساری کے ظاہر کرنے کی بجائے ایک طرح کا تکبّر معلوم ہوتا ہے، اس لیے اپنے اس عمل کی شامت نے اسے سخت امتحان میں گھیر لیا اور اس کے دل سے وہ نور جاتا رہا جس کی وجہ سے اس کے قلب میں بھوک کی تکلیف برداشت کرنے کی قوت وہمت اچانک بالکل ختم ہوگئی۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے ہوا کو حکم فرما دیا کہ اس پہاڑ کی وادی کی طرف ہو کر نہ گزرے، چنانچہ پانچ روز تک ہوا بالکل بند ہو جانے سے درخت سے کوئی پھل زمین پر نہ گرا۔ پس بھوک کی شدت سے وہ بزرگ بے چین ہوگیا، صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹ گیا اور کمزوری نے اس کو خود اپنے وعدے کو توڑنے پر مجبور کر دیا اور وہ بزرگ جو ایک طرف ہمت واستقامت کا پہاڑ تھا اب گمراہی کی وادی میں بھٹکنے لگا چنانچہ جب اپنا عہد ونذر فسخ کر کے وہ درختوں سے پھل توڑ کر کھانے لگا تو اللہ تعالیٰ کی غیرت کو جوش آ گیا اور اس فقیر کو سزا دی گئی، کیونکہ حکمِ الٰہی "اَوْفُوا بِالْعُهُوْدِ" کے خلاف کیا ہے۔ (یعنی پورا کرو جو کچھ کہ تم نے عہد کیا ہے)۔

چنانچہ اس بزرگ کی سزا کا واقعہ اس طرح ہوا کہ چوروں کا ایک گروہ رات کو اس پہاڑ کے دامن میں ٹھہر گیا، ایک مُخبر نے شہر کے پولیس افسر کو اطلاع دے دی کہ آج چوروں کا گروہ فلاں پہاڑ کے دامن میں ٹھہرا ہوا ہے، اس سے پہلے کہ پولیس افسر اِن

چوروں کو گرفتار کرتا، اس نے پہاڑ کے دامن میں اس درویش کو دیکھا اور سمجھا کہ یہ کوئی چور ہے، فوراً گرفتار کرلیا۔ فقیر نے بہت شور مچایا کہ میں چور نہیں ہوں، لیکن تھانے دار اور سپاہیوں نے ایک نہ سنی اور اس کا داہنا ہاتھ اور بایاں پیر کاٹ ڈالا۔ اسی اثناء میں ایک سوار اُدھر سے گزرا، اس نے جب یہ قصہ دیکھا تو تھانے دار اور اس کے ساتھیوں کو بہت ڈانٹا کہ اے کتے! تو نے ایسے نیک فقیر کے ساتھ یہ کیا سلوک کیا؟ یہ تو فلاں شیخِ کامل اور ابدالِ وقت ہے۔ جس نے دنیا سے کنارہ کش ہوکر اس جگہ خلوت اور تنہائی اختیار کی تھی۔

یہ سنتے ہی افسر پر لرزہ طاری ہوگیا اور خوف وندامت سے ننگے پیر ننگے سر اس بزرگ کی طرف دوڑا اور اپنی غلطی پر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا اور قسم کھا کر عرض کیا کہ میں نہیں جانتا تھا کہ آپ ایک بزرگ شخص ہیں، میں نے غلط فہمی سے آپ کو چوروں کے گروہ کا ایک آدمی سمجھ کر یہ معاملہ کیا۔ خدا کے لئے آپ مجھے معاف فرمادیں، ورنہ میں ابھی عذاب الٰہی میں مبتلا ہوکر ہلاک ہو جاؤں گا۔

درویش نے کہا کہ بھائی تیرا کچھ قصور نہیں ہے، میں خود قصوروار ہوں، میں نے اپنے مالک سے بدعہدی کی تھی، جس کی مجھے سزا ملی ہے۔

مذکورہ بالا واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی اور انکساری کا اظہار کرنا چاہیے۔ اور ہمیں ہر وقت اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اس کی عطا کا محتاج سمجھنا چاہیے۔ اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرنا چاہیے۔ اپنی ہمت اور اپنے تقویٰ پر ناز کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے ایسا عہد نہ کرنا چاہیے کہ اس میں اپنی کمزوری اور بندگی سے نظر اٹھ جائے۔ اس لیے کوئی بندہ بھی اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے

امتحان کے قابل نہ سمجھے۔ بلکہ ہمیشہ اس کے فضل اور اس کی ہر چھوٹی بڑی نعمت کا سوال کرے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت بلال رضی اللہ عنہ حبشہ کے رہنے والے تھے اور امیہ بن خلف نام کے ایک یہودی کے غلام تھے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جب ان کو ایمان نصیب ہوا تو اسلام کا ابتدائی زمانہ تھا۔ دشمنانِ اسلام مسلمانوں کو چین سے دیکھنا نہیں چاہتے تھے۔ اللہ کے نور کو بجھانے کے لئے دن رات ہر ممکن کوشش میں مشغول تھے۔ لیکن حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ہم تو اپنا نور مکمل کر کے رہیں گے۔ چاہے کفار کو کتنا ہی ناگوار ہو۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ اگر چاہتے تو اپنا ایمان چھپا سکتے تھے، اور اس چھپانے کی بدولت کفار کی تکلیفوں سے محفوظ رہ سکتے تھے، لیکن حق تعالیٰ کی محبت نے کلمۂ توحید ظاہر کرنے پر انہیں مجبور کر دیا اور عشقِ حقیقی نے ان کو نعرۂ اَحد لگانے پر بے چین کر دیا۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا نعرۂ احد لگانا تھا کہ اس یہودی کا غیظ و غضب ان پر ظلم اور مار پٹائی کی صورت میں برس پڑا اور آپ کو اتنا مارا کہ لہولہان کر دیا اور اسی زخم کی

حالت میں گرم گرم ریت پر گھسیٹتا اور کہتا کہ اب آئندہ وحدانیت کا نعرہ لگانے کی جرأت نہ کرنا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ بزبان حال عرض کرتے۔

''اے اللہ! آپ کی محبت کے جرم میں یہ کفار مجھ کو قتل کر رہے ہیں اور شور برپا کر رہے ہیں، اے محبوبِ حقیقی! آپ بھی آسمانِ دنیا پر تشریف لائیے اور اپنے عاشق کے اس تماشہ کو دیکھئے کہ کیا اچھا تماشہ ہے''۔

ایک دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس طرف سے گزرے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ اسی خستہ وخراب اور لہولہان ہونے کی حالت میں ''احد، احد'' کا نعرہ لگا رہے تھے۔ یہ آواز سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کھڑے ہوگئے اس آواز میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی پاک روح کو محبوب حقیقی کی خوشبو محسوس ہوئی، جس سے آپ محوِ لذت ہوگئے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اس مظلومیت کو دیکھ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا دل تڑپ گیا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے، انہوں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو الگ بلا کر سمجھایا کہ تنہائی میں اللہ کا نام لیا کرو، اس موذی کے سامنے ظاہر مت کرو، ورنہ یہ ملعون ناحق تم کو ستائے گا۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے محترم! آپ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدیق ہیں، آپ کی نصیحت قبول کرتا ہوں۔

دوسرے دن پھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ادھر سے گزر ہوا، دیکھتے ہیں کہ پھر وہی ماجرا ہے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ ''اَحد اَحد'' پکار رہے ہیں، اور وہ یہودی ان کو بری طرح مار پیٹ رہا ہے۔ یہاں تک کہ جسم خون سے لہولہان ہوگیا ہے۔ اس

دردناک منظر کو دیکھ کر آپ رضی اللہ عنہ تڑپ گئے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو پھر نصیحت فرمائی کہ بھائی! کیوں اس موذی کے سامنے اَحد اَحد کہتے ہو، دل ہی دل میں خاموشی کے ساتھ اَحد اَحد کہتے رہا کرو، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اچھا پھر توبہ کرتا ہوں، اب آپ کے مشورہ کے خلاف نہ کروں گا۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے متعدد بار نصیحت فرمانے کے باوجود جب ہر بار یہی تماشا دیکھا کہ وہ یہودی ظلم کر رہا ہے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ اَحد اَحد کا نعرہ لگا رہے ہیں، تو اس کا ماجرہ رحمۃ للعالمین حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے مصائب سن کر رحمۃ للعلمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آنکھیں درد سے اشکبار ہوگئیں۔

ارشاد فرمایا کہ اے صدیق! پھر کیا تدبیر ہونی چاہیے کہ بلال کو اس بلا سے نجات ملے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! میں انہیں خرید لیتا ہوں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھا تو بلال رضی اللہ عنہ کی خریداری میں میری بھی شرکت ہوگی۔

اللہ اکبر! کیا نصیب تھا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کو خرید رہے ہیں۔ اس کالے جسم میں اللہ کی محبت سے ایسا نورانی دل تھا کہ بارگاہِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کی خریدار ہوگئی۔

الغرض! حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس یہودی کے پاس گئے، اس وقت بھی وہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو مار پیٹ رہا تھا۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس ولی اللہ کو کیوں مارتا ہے؟

، یہودی نے کہا کہ اگر تمہیں ایسی ہی ہمدردی ہے تو پیسہ لاؤ اور اس کو لے جاؤ۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سفید جسم اور کالے دل والا میرا یہودی غلام تو لے لے اس کے بدلہ میں کالے جسم اور روشن دل والا یہ حبشی غلام مجھے دیدے۔ چنانچہ اسی بات پر سودا طے پا گیا۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو لے کر بارگاہِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! میں نے کیسا سودا کیا ہے، سفید جسم اور کالا دل دے آیا ہوں اور کالا جسم اور نورانی دل لے آیا ہوں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہت اچھا سودا کیا تم نے اے صدیق! اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اپنے سینۂ مبارک سے لگا لیا۔

"حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آغوشِ رحمت میں لے لیا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی روح نے جو لطف اس وقت محسوس کیا ہوگا۔ اس کو دوسرا کون سمجھ سکتا ہے!!

مذکورہ بالا واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہم اپنے ایمان کی حفاظت کریں، خواہ اس کے لیے بڑی سے بڑی تکلیف برداشت کرنا پڑے۔

نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ جب دل میں اللہ تعالیٰ کے عشق و محبت کی دولت

حاصل ہو جاتی ہے تو پھر اس کے راستے میں آنے والی ہر تکلیف برداشت کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہمیں اپنے دل کی صفائی اور سفیدی کی کوشش کرنا چاہیے...... اس لیے کہ سفید دل (گناہوں سے پاک دل) اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے خواہ بدن کتنا ہی بدصورت اور کالا کیوں نہ ہو، لیکن اگر جسم گورا اور سفید ہے مگر دل اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے کالا ہے تو اس کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔

سلطان محمود غزنوی اور ایاز کا واقعہ

ایک روز صبح کے وقت سلطان محمود نے اراکینِ سلطنت کی عقل و فہم کا امتحان کرنے کے لئے خزانۂ شاہی سے ایک موتی نکالا اور سب سے پہلے وزیر کے ہاتھ میں دے کر اس سے دریافت کیا کہ یہ موتی کتنے دام میں فروخت ہوگا؟

وزیر نے عرض کیا کہ حضور! یہ موتی تو بہت ہی بیش قیمت ہے، سونے سے لدے ہوئے دو سو گدھوں سے بھی اس کی قیمت زیادہ ہے۔

سلطان نے کہا کہ اچھا تو میرے حکم سے اس بیش بہا موتی کو ریزہ ریزہ کر دو۔

وزیر نے عرض کیا کہ حضور! اس موتی کو ضائع نہ کروں گا، میں آپ کے خزانہ

دولت کا خیر خواہ ہوں اور اس ہیرے کو توڑنا بدخواہی ہوگی۔

بادشاہ نے اس کو شاباش دی، اور ایک شاہی خلعت عطا فرمائی اور اس موتی کو وزیر کے ہاتھ سے لے کر سلطنت کے ایک دوسرے مقرب عہدیدار کو دیا اور اس سے بھی اس کی قیمت دریافت کی۔

اس نے کہا: حضور! اس بیش بہا موتی کی قیمت آپ کی آدھی سلطنت ہے۔ خدا اس موتی کو محفوظ رکھے۔

بادشاہ نے اس کو بھی حکم دیا کہ اس موتی کو ریزہ ریزہ کردو۔

اس نے عرض کیا: حضور! ایسے قیمتی موتی کو توڑنے کے لئے میرا ہاتھ حرکت نہیں کرسکتا۔ اس موتی کو توڑنا خزانۂ سلطنت سے دشمنی کے مترادف ہوگا۔

سلطان محمود نے اس کو بھی شاہی خلعت عطا فرمائی اور دیر تک اس کی تعریف کرتا رہا۔

غرض بادشاہ نے پینسٹھ ارا کینِ سلطنت کو باری باری طلب کر کے یہی معاملہ فرمایا اور ہر ایک نے وزیر کی تقلید کی اور شاہی خلعت حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ سلطان سے تعریفی کلمات بھی حاصل کیے۔

بادشاہ جب سب کا امتحان کر چکا اور انعامات دے چکا تو آخر میں ایاز کو طلب کیا اور موتی کو اس کے ہاتھ پر رکھ کر کہا کہ اے ایاز! ہر ایک نے اس موتی کو دیکھا تو بھی اس کی شعاعوں اور چمک کو دیکھ لے اور غور کر کے بتا کہ اس کی کیا قیمت ہوگی؟

ایاز نے عرض کیا کہ حضور! جس قدر قیمت اس موتی کی عرض کروں گا، یہ موتی اس سے بھی کہیں زیادہ گراں اور بیش قیمت ہوگا۔

بادشاہ نے حکم دیا کہ اچھا تو فوراً اس ہیرے کو توڑ دے اور بالکل ریزہ ریزہ کردے۔

ایاز سلطان کا مزاج شناس تھا، اور سمجھ رہا تھا کہ بادشاہ اس وقت امتحان کر رہا ہے، سلطان کا حکم سنتے ہی اس نے گوہرِ بیش بہا کو چکنا چور کردیا اور خلعت اور انعامات کی ذرا بھی طمع نہ کی۔ جیسے ہی ایاز نے وہ بیش بہا موتی توڑا، تمام اراکینِ سلطنت نے شور برپا کردیا اور دیوانِ خاص میں ایک ہنگامہ مچ گیا۔

تمام وزراء سلطنت نے کہا کہ واللہ! یہ شخص بڑا ناشکرا اور نمک حرام ہے۔ جس نے اس پرنور و محترم موتی کو توڑ دیا۔

ایاز نے کہا اے محترم بزرگو! بادشاہ کے حکم کی قیمت زیادہ ہے، یا اس موتی کی؟ اے لوگو! تمہاری نظر موتی پر ہے، بادشاہ پر نہیں۔ میں تو اپنی نظر کو بادشاہ سے نہ ہٹاؤں گا اور موتی کی طرف رخ نہ کروں گا۔ کیونکہ بادشاہ سے نظر ہٹا کر موتی کی طرف متوجہ ہونا، بادشاہ کی محبت واطاعت میں شرک ہے۔

جس وقت ایاز نے اس راز کو اراکینِ سلطنت پر ظاہر کیا، تمام اراکین جو ایاز کے مقربِ بادشاہ ہونے کی وجہ سے حسد رکھتے تھے، اس کی فتح و کامیابی سے ذلیل وخوار ہوگئے۔

مذکورہ بالا واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت ہمارے دل میں پیدا ہوجائے تو موتی کی طرح ساری دنیا کو توڑ کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی حکم کو بچانا آسان ہوجائے گا۔ یہی وہ محبت ہے

جس کی برکت سے دنیا کی پر کشش مراعات اور رونقوں کو شریعت کے احکام کے مقابلے میں خیر باد کردینا آسان ہو جاتا ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا واقعہ

وہ کیسا مبارک وقت تھا کہ جب حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کا درد عطا فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کی محبت میں حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر عجیب حالت طاری ہوگئی۔ آپ پر دیوانگی طاری تھی کہ اللہ کی یاد میں آپ کی آہوں سے لوگوں کے کلیجے منہ کو آجاتے تھے۔

جب حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا جوشِ عشق حد سے گزر گیا اور آپ کی آہ وزاری سے مخلوق عاجز ہوگئی تو حاسدوں کی ایک جماعت نے آپ کو قید خانہ میں بند کردیا۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب قید خانہ کی طرف خوش خوش جانے لگے تو ازراہِ ہمدردی آپ کے دوست بھی ساتھ چل دیئے۔ جب آپ کو قید خانہ میں داخل کر کے دروازہ بند کردیا گیا تو دوستوں نے غور وفکر شروع کیا کہ آخر کیا ماجرا ہے

کہ اتنا بڑا شیخِ باطن اور اللہ والا قید خانے میں بند کر دیا گیا۔ سب اس نتیجہ پر پہنچے کہ یہ شیخ اپنے ماہتاب باطن (روحانی چاند) کو ابرِ جنون (جنوں کے بادل) سے چھپانا چاہتے ہیں اور عوام کے شر سے بچنے کے لئے یہ صورت اختیار کی ہے، یا پھر عاقلوں کی صحبت سے متنفر ہو کر خود کو دیوانہ بنالیا ہے۔

آخر کار ان سب نے جیل کی سلاخوں کے قریب آ کر عرض کیا کہ حضور! ہم سب آپ کے مخلص دوست ہیں، اور آپ کی مزاج پرسی کے لئے حاضر ہوئے ہیں اور حیران ہیں کہ کس نے آپ پر جنون کا الزام لگا دیا؟! آپ تو دریائے عقل ہیں، یہ اہلِ ظاہر آپ کی ولایت اور باطنی بلندی سے ناواقف ہیں اور آپ کو مجنون و دیوانہ سمجھتے ہیں، حالانکہ آپ اللہ تعالیٰ کے عاشق ہیں۔ ہم لوگ آپ کے سچے محبّ اور دوست ہیں اور دونوں عالم میں بہت آپ کو عزیز رکھتے ہیں۔ براہِ کرم ہم پر اس راز کا انکشاف فرما دیجئے کہ آپ اس قید خانہ میں اپنی جان کو کیوں ضائع فرما رہے ہیں۔ راز کو اپنے دوستوں سے نہیں چھپایا کرتے۔

حضرت شیخ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان کی گفتگو میں اخلاص اور ہمدردی محسوس نہ کی، چنانچہ پہلے اخلاص کا امتحان لینے کے لئے ان کی طرف پتھر اٹھا کر دوڑے جیسے کہ پاگل آدمی وحشت میں لوگوں کو مارنے کے لئے دوڑتا ہے۔

یہ معاملہ دیکھتے ہی وہ لوگ چوٹ کے ڈر سے بھاگ کھڑے ہوئے، ان کا یہ دوڑنا دیکھ کر شیخ نے ان کی عقیدت و محبت پر قہقہہ لگایا اور فرمایا کہ اس درویش کے دوستوں کو تو دیکھو، ارے نادانو! تم محبت و دوستی کو کیا جانو۔ سچا دوست، دوست کے رنج و تکلیف سے کب کنارہ کشی کرتا ہے، دوست کی دوستی اگر خالی چھلکا ہے تو دوست کی طرف سے

رنج وتکلیف اصلی مغز ہے۔

نیز دوست کی مثال سونے کی ہے اور بلاء ومصیبت کی مثال آگ کی سی ہے۔ چنانچہ سچا دوست مصیبت اور دکھ درد کے وقت اپنے تعلق کو اور بڑھاتا ہے جیسے کہ خالص سونا آگ کی تکلیف میں چمکتا ہے اور خوش ہوتا ہے۔

''اے مخاطب! جب ایک ہی زخم سے تو عشق سے مستعفی ہوگیا اور راہِ فرار اختیار کرلی تو معلوم ہوا کہ تجھے ابھی عشق کی ہوا بھی نہیں لگی، تو نے صرف عشق کا نام سن رکھا تھا۔ پس اللہ کی محبت کے راستہ میں دل کی ناجائز خواہشات کا خون کرنا پڑتا ہے، تب یہ راستہ طے ہوتا ہے''۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ کے راستہ میں مردانہ وار قدم رکھنا چاہیے۔

مذکورہ بالا واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

اس واقعہ سے سبق ملتا ہے کہ اللہ کے راستہ میں بندے کو کچھ نہ کچھ تکالیف تو آتی ہیں۔ ان کو خوشی سے برداشت کرنا چاہیے۔

عورت کے عشق میں گرفتار شخص کے علاج کا واقعہ

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک شخص اللہ تعالیٰ کی محبت کی تلاش میں اصلاحِ نفس کے لئے ایک بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا اور شیخ کے تجویز کردہ ذکر اور شغل کو اہتمام سے کرنے لگا، لیکن جو خادمہ شیخ کے گھر سے ان کے لئے کھانا لایا کرتی تھی، اس پر بار بار نگاہ ڈالنے سے ان کے دل میں اس خادمہ کا عشق پیدا ہوگیا۔ چنانچہ جب وہ کھانا لے کر آتی یہ کھانے کی طرف متوجہ ہونے کے بجائے اسی کو عاشقانہ نظروں سے گھورتے رہتے۔ وہ خادمہ بھی اللہ والی تھی، اس کو شبہ ہوا کہ یہ شخص مجھے بری نگاہ سے دیکھتا ہے۔ بدنگاہی کی ظلمت کا اس خادمہ کے نورانی قلب نے احساس کرلیا اور اس نے شیخ سے عرض کیا کہ حضور! آپ کا فلاں مرید میرے عشق میں مبتلا ہوگیا ہے، اس کو ذکر اور شغل سے اب کیا نفع ہوگا؟ پہلے آپ اس کو عشقِ مجازی سے چھڑائیے۔ اور اس کا روحانی علاج کیجیے۔

اللہ والوں کی شان یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے احباب اور مریدین کو حتی الامکان رسوا نہیں فرماتے اور یہ حضرات کسی بری حالت سے مایوس بھی نہیں ہوتے، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی معرفت ہیں، ان کی نظر حق تعالیٰ کی عطا اور فضل پر ہوتی ہے۔

چنانچہ شیخ نے باوجود علم کے نہ اس مرید کو ڈانٹا اور نہ اپنے اس علم کا اظہار کیا، البتہ دل کو فکر لاحق ہوگئی کہ اس کو عشقِ مجازی سے کس طرح نجات حاصل ہو۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک تدبیر ان کے دل میں ڈالی گئی جس پر آپ نے عمل فرمایا اور اس خادمہ کو اسہال کی دوا دے دی، اور ارشاد فرمایا کہ تجھ کو جتنے دست آئیں سب کو ایک برتن میں جمع کرتی رہنا، یہاں تک کہ اس کو بیس دست ہوئے جس سے وہ انتہائی کمزور اور لاغر ہوگئی، چہرہ پیلا ہوگیا اور آنکھیں دھنس گئیں، رخسار اندر کو بیٹھ گئے، ہیضہ کے مریض کا چہرہ جس طرح خوفناک ہو جاتا ہے، خادمہ کا چہرہ بھی ویسا ہی پُر خوف ومکروہ ہوگیا اور تمام حسن جاتا رہا۔

بزرگ نے خادمہ سے ارشاد فرمایا کہ آج اس کا کھانا لے کر جا اور خود بھی آڑ میں چھپ کر کھڑے ہوگئے۔ مرید نے جیسے ہی خادمہ کو دیکھا تو کھانا لینے کی بجائے اس کی طرف سے چہرہ پھیر لیا اور کہا کہ کھانا رکھ دو، بزرگ فوراً آڑ سے نکل آئے اور فرمایا کہ اے بے وقوف! آج تو نے اس خادمہ سے رخ کیوں پھیر لیا، اس کنیز میں کیا چیز کم ہوگئی، جو تیرا عشق آج رخصت ہوگیا۔

پھر بزرگ نے خادمہ کو حکم دیا کہ وہ پاخانے کا طشت اٹھا لاؤ، جب اس نے سامنے رکھ دیا تو بزرگ نے مرید کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ اے بے وقوف! اس خادمہ کے جسم سے سوائے اتنی مقدار پائخانہ کے اور کوئی چیز خارج نہیں ہوئی۔ معلوم ہوا کہ تیرا معشوق درحقیقت یہی پائخانہ تھا، جس کے نکلتے ہی تیرا عشق غائب ہوگیا۔

بزرگ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تجھ کو اس لونڈی سے محبت تھی تو اب وہ محبت نفرت سے کیوں تبدیل ہوگئی۔

عشقِ مجازی کا پلید اور ناپاک ہونا بزرگ کی اس تدبیر سے اچھی طرح اس شخص پر واضح ہوگیا اور اپنی حرکت پر بہت شرمندہ ہوا اور حق تعالیٰ کی بارگاہ میں صدقِ دل سے توبہ کی اور عشقِ حقیقی کی دولت سے مالا مال ہوگیا۔

حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حکایت سے یہ نصیحت فرماتے ہیں کہ اے لوگو! عشق مجازی میں جس گھونگھر والی زلف مشکبار پر آج تم فریفتہ ہو، یہی زلف ایک دن تم کو بوڑھے گدھے کی دم کی طرح بری معلوم ہوگی۔

دیکھو! طلوع کے وقت آفتاب کو کہ کیسا خوش نما ہوتا ہے، لیکن اس کی موت کو یاد کرو کہ جب وہ ڈوب رہا ہوتا ہے۔

چودھویں کے چاند کو آسمان پر کیسا خوش نما دیکھتے ہو، لیکن اس کی حسرت کو دیکھو، جب وہ گھٹنے لگتا ہے۔

اے شخص! تو عمدہ غذاؤں کی تازگی اور حُسن پر فریفتہ ہے، لیکن بیت الخلا میں اس کے فُضلہ کو جا کر دیکھ! کہ کیا نتیجہ ہے۔

جب دنیا اور اہل دنیا کی بے وفائی معلوم ہوگئی تو پاک بندوں یعنی اللہ والوں کی محبت دل میں قائم کرو اور دل کسی سے مت لگاؤ، لیکن صرف اللہ تعالیٰ کے مقبول اور خاص بندوں سے۔

مذکورہ بالا واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

اس قصہ سے معلوم ہوا کہ وہ طالبِ حق، عشقِ مجازی کے فتنہ سے موت تک نجات نہ پاتا، لیکن ایک مقبول بندے کی صحبت کے فیض سے اسے اس پلیدی اور ناکامی سے نجات مل گئی، اسی مضمون کو حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ

حق تعالیٰ کا راستہ نری عقل سے طے نہیں کیا جا سکتا۔ کسی اللہ والے کی صحبت میں اصلاح کی غرض اور نیت سے حاضری ضروری ہے، اگر مقبولین کاملین کی اطاعت سے جی چراؤ گے تو ہمیشہ ناقص رہو گے اور کمال نصیب نہ ہوگا۔ چنانچہ شیخ بوعلی سینا، شیخ الفلاسفہ ہونے کے باوجود موت کے وقت عقل کو بے ساز وسامان سمجھتا تھا اور محض بے نتیجہ وبے فائدہ کہتا تھا اور اقرار کرتا تھا کہ ہم نے عقل وذکاوت کا گھوڑا فضول دوڑایا اور ذہانت وذکاوت کے دھوکے میں آکر اہل اللہ کی اطاعت نہ کی اور خیالی سمندر میں تیرتے رہے۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے راستے میں عقل وذکاوت سے کام لینا بالکل بے کار ہے، وہاں تو کشتی نوح علیہ السلام یعنی اعانتِ اہل اللہ کی ضرورت ہے۔ دیکھو! حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کنعان نے عقل کا گھوڑا دوڑایا کہ مجھ کو اس طوفان سے اونچے اونچے پہاڑ بچالیں گے اور خدائی کشتی کو حقیر سمجھا۔ نتیجہ کیا ہوا کہ وہ معمولی کشتی فضلِ الٰہی کے سبب طوفان سے محفوظ رہی اور اونچے اونچے پہاڑوں پر طوفان پہنچ گیا اور کنعان ہلاک ہوگیا۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نصیحت فرماتے ہیں کہ تم چونکہ صحیح نظر نہیں رکھتے، اس لئے اہل اللہ کی محبت اور ان کی اطاعت کی کشتی تم کو حقیر معلوم ہوتی ہے۔ اور اہل یورپ کی تقلید میں عقل کے پہاڑ کو بہت بڑا سمجھتے ہو، لیکن خبردار! اس بظاہر حقیر کشتی کو واقع میں حقیر مت سمجھنا، یعنی اہل اللہ اکثر پھٹے پرانے لباس میں ہوتے ہیں، اور سادہ زندگی گزارتے ہیں تو ان کی سادگی کی وجہ سے ان کو حقیر مت سمجھنا، بلکہ اللہ تعالیٰ کے اس فضل کو دیکھنا، جو ان کے شاملِ حال ہے۔ اس اللہ والے کی کشتی کی عظمت پر نگاہ رکھو، کوہِ عقل کی بلندی پر نظر نہ کرو، کیونکہ عذابِ خداوندی کی ایک موج اس کوہ کو زیروزبر کرسکتی ہے لیکن وہ

کشتی جو رحمت کے سایہ میں چل رہی ہے اس کی ظاہری طاقت و جسامت کو مت دیکھو کہ یہ کشتی نفس و شیطان کی خواہشات کے طوفان سے صحیح سلامت گزر جائے گی کیونکہ اس پر قدرت و رحمتِ الٰہی کا سایہ ہے۔ اگر اس نصیحت پر عمل نہ کرو گے تو آخر میں تمہیں اپنے عقل کی کوتاہی اور کمزوری کا اقرار کرنا پڑے گا اور پچھتانا پڑے گا۔ لہٰذا اگر لغزشوں اور برائیوں سے حفاظت چاہتے ہو تو اہل اللہ کی خاکِ پا کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنالو، پھر تم ٹھوکر نہ کھاؤ گے۔ جو لوگ دین کا راستہ اپنی عقل سے طے کرتے ہیں، ان کی توبہ کی حالت یہ ہوتی ہے کہ شیطان نے ایک پھونک ماری اور ان کی توبہ ٹوٹ جاتی ہے۔ لیکن ان کے تکبر کی حالت یہ ہوتی ہے کہ اہل اللہ کو حقیر سمجھتے ہیں۔ ایسے لوگ تمام زندگی اللہ سے دور رہتے ہیں۔

اب مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ آخر میں بڑے گر و کی بات ارشاد فرماتے ہیں:
اے لوگو! اپنے لئے کوئی متبع سنت رہبر تلاش کرو اور اللہ والوں کی صحبت کو کیمیا سمجھو۔

حضرت شاہ ابوالحسن خرقانی رحمہ اللہ علیہ کے صبر کا واقعہ

ایک مخلص صادق اور سچے مرید نے حضرت شاہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی زیارت کے لئے طالقان سے خارقان تک دور دراز کا سفر کیا اور سفر کے دوران مختلف پہاڑوں اور وادیوں سے گزر ہوا، واقعی طلب اور محبت سب کچھ کراتی ہے۔

اس آدمی کے دل میں محبت کی ایک تڑپ تھی، جو اس طویل سفر کی مشقتوں کو جھیلنے پر مجبور کر رہی تھی۔

بہر حال وہ شخص صعوبت و مشقت اٹھاتے ہوئے کسی طرح خارقان پہنچے اور پوچھتے پوچھتے حضرت شاہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مکان پر حاضر ہو کر دستک دی، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ گھر پر موجود نہ تھے، ایندھن کے لئے لکڑی لینے جنگل تشریف لے گئے تھے، اندر سے شاہ صاحب کی اہلیہ نے پوچھا، کون ہے؟ عرض کیا کہ مسافر ہوں اور دور دراز کا سفر کر کے حضرت شاہ صاحب کی زیارت کو حاضر ہوا ہوں۔

اہلیہ نہایت بدمزاج اور سخت غصہ والی تھیں۔ حضرت شاہ صاحب سے اکثر لڑا کرتی تھیں، مسافر کے اس اظہارِ عقیدت پر بہت غضب ناک ہوئیں اور کہا ارے

فلانے! کیا تجھ کو دنیا میں کوئی اور کام نہ تھا کہ اس قدر طویل سفر کی تکلیفیں فضول برداشت کیں اور بہت بُرا بھلا کہا۔

اس شخص نے حضرت شیخ کی اہلیہ کی زبان سے جب یہ بدتمیزی کی باتیں سنیں تو تاب نہ لا سکا، اور کہا کہ اگر حضرت شیخ سے تمہارا بیوی ہونے کا تعلق نہ ہوتا تو ابھی تمہارے جسم کو پارہ پارہ کر دیتا، لیکن اتنے بڑے سلطان العارفین کی اہلیہ ہو، اس لئے میں کوئی گستاخی نہیں کر سکتا۔

یہ کہہ کر پھر محلّہ کے لوگوں سے دریافت کیا کہ حضرت کہاں تشریف لے گئے ہیں؟

کسی نے بتایا کہ وہ قطبِ وقت جنگل سے لکڑیاں لینے گئے ہیں۔ شیخ کی محبت میں وہ مرید جنگل کی طرف چل دیا اور راستہ میں سوچتا جارہا تھا کہ اتنا بڑا شیخ! ایسی بداخلاق عورت کو نہ جانے کیوں شرفِ تعلق بخشتا ہے، اسی شش و پنج میں مبتلا تھا، کیا دیکھتا ہے کہ سامنے سے ایک شخص شیر کی پشت پر سوار چلا آرہا ہے اور لکڑیوں کا گٹھر بھی شیر کی پشت پر رکھا ہوا ہے، یہی قطبِ وقت سلطانِ معرفت شاہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تھے۔

جب حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس مرید کو دیکھا تو آپ ہنس پڑے اور سمجھ گئے کہ اہلیہ کی سخت باتیں سن کر یہ پریشان اور فکر مند ہے۔

آپ نے مرید سے ارشاد فرمایا:

"اس بے وقوف عورت کی اور اسی طرح کی سینکڑوں تکلیفیں برداشت کرتا ہوں اور یہ مجاہدہ و مشقت صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے ہے نہ کہ اس بدمزاج

عورت کے حسن اور رنگ کے عشق میں۔ چونکہ میں خلق میں محبوب ومقبول ہوں اور مخلوق کی تعظیم سے میرے اندر عجب وخود بینی پیدا ہو جاتی ہے۔ لہٰذا میرے تکبر اور خود بینی کا علاج یہ عورت کیا کرتی ہے، جب یہ میرے ساتھ گستاخی اور بدتمیزی سے پیش آتی ہے تو دماغ سے وہ تمام پندار وتکبر نکل جاتا ہے جو خلق کی تعریف وتعظیم سے پیدا ہوتا ہے اور اس طرح نفس کا عجب وتکبر سے تزکیہ ہو جاتا ہے''۔

مذکورہ بالا واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ غیر اختیاری طور پر اگر کوئی مصیبت یا تکلیف لاحق ہو جائے تو گھبرانا نہ چاہیے کیونکہ اس تکلیف وصدمہ پر جو نعمت حق تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوگی، وہ اس تکلیف سے بدرجہا بہتر ہوگی اور کبھی یہ چھوٹی بلا کسی بڑی بلا سے نجات کا ذریعہ ہوتی ہے جیسا کہ اس حکایت سے معلوم ہوا کہ اہلیہ کی بدمزاجی تکبر جیسی مہلک بلا سے نجات کا ذریعہ ہوگئی۔

البتہ تکلیف ومصیبت طلب نہیں کرنی چاہیے بلکہ عافیت کی درخواست کرتا رہے کہ اے اللہ! ہم ضعیف ہیں، برداشت کی قوت نہیں، آپ سے عافیت کا سوال کرتا ہوں، مانگے تو عافیت ہی پھر جس حال میں اللہ تعالیٰ رکھیں، راضی رہے اور مصیبت کے دور ہونے کی تضرع اور عاجزی کے ساتھ دعا کرتا رہے۔

حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی صدی کے بہت بڑے آدمی گزرے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی محبت کا بڑا حصہ عطا فرمایا تھا سنہ ۶۰۴ھ میں بمقام بلخ پیدا ہوئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھے، محمد خوارزم شاہ کے حقیقی نواسے تھے، چھ سال کی عمر میں جب آپ کے والد آپ کو حضرت خواجہ فرید الدین عطّار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں لے گئے تو حضرت خواجہ عطّار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی مثنوی اسرار نامہ آپ کو برکت کے طور پر تحفہ میں دی اور آپ کے والد صاحب سے فرمایا کہ یہ لڑکا ایک دن ہلچل مچادے گا۔

چند سال بعد مولانا تکمیلِ علوم کے لئے شام تشریف لے گئے اور دمشق میں سات سال تک مختلف علوم اور فنون کا علم حاصل کرتے رہے، تمام مذاہب سے واقف تھے۔ علمِ کلام، علمِ فقہ اور اخلاقیات میں خاص ملکہ رکھتے تھے، فلسفہ وحکمت وتصوف میں اس وقت ان کی نظیر نہ تھی۔ تحصیلِ علوم کے بعد مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ درس وتدریس میں مشغول ہو گئے، لیکن مولانا کو درسِ عشق ومعرفت کے لئے پیدا کیا گیا تھا، ان کے قلب میں آتشِ عشق ودیعت فرمائی گئی تھی اور عاشقوں کا درس ذکرِ محبوب اور ان کا مُدرّس

حسن دوست ہوتا ہے۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جس درس کے لئے پیدا کئے گئے تھے، اس کا غیب سے سامان شروع ہوگیا، حضرت شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سینہ میں عشق و معرفت کا جو سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا، اسے اپنے جواہرات باہر بکھیرنے کے لئے زبانِ عشق کی تلاش ہوئی۔ آپ نے دعا کی کہ اے اللہ! اپنی محبت کا جو خزانہ آپ نے میرے سینہ میں رکھا ہے، اپنا کوئی ایسا خاص بندہ عطا فرمایئے، جس کے سینہ میں اس امانت کو منتقل کردوں اور وہ بندہ زبانِ عشق سے میرے مخفی اسرار کو قرآن وحدیث کے انوار میں بیان کرے چنانچہ دعا قبول ہوگئی۔ حکم ہوا کہ روم جاؤ وہاں تمہیں جلال الدین رومی ملیں گے، ہم نے انہیں اس کام کے لئے منتخب کرلیا ہے۔

اس آوازِ غیبی کو سنتے ہی حضرت شمس تبریزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ روم کی طرف روانہ ہوگئے اور قونیہ تشریف لائے، جہاں چاول فروشوں کی سرائے میں قیام فرمایا۔ سرائے کے دروازہ پر ایک چبوترہ تھا، جس پر اکثر عمائد آکر بیٹھتے تھے۔ اسی جگہ مولانا رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور حضرت شمس تبریزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ملاقات ہوئی اور مولانا اکثر حضرت شمس تبریزیؒ کی صحبت میں رہنے لگے۔ حضرت تبریزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی صحبت سے مولانا رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی حالت میں تبدیلی پیدا ہوگئی اور جب عشقِ حقیقی نے اپنا پورا اثر کردیا تو مولانا پر عشقِ الٰہی کی مستی غالب رہنے لگی۔ درس و تدریس اور وعظ و نصیحت کے اشغال چھوٹ گئے۔ چنانچہ حضرت شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی صحبت سے ایک لمحہ کو جدا نہ ہوتے تھے۔

جب مولانا رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر عشقِ الٰہی کا یہ اثر ظاہر ہوا تو شہر میں فتنہ

اٹھا کہ شمس تبریزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان پر جادو کردیا ہے۔ فتنہ کے ڈر سے حضرت تبریزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ چپکے سے دمشق چل دیئے۔ آپ کی جدائی سے مولانا کو بے حد صدمہ ہوا۔ ان کی بے چینی دیکھ کر کچھ لوگ حضرت شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو واپس بلالائے، لیکن تھوڑے دن رہ کر وہ پھر کہیں غائب ہوگئے۔ بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ حضرت شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو کسی نے شہید کرڈالا۔

پیر ومرشد کی اس جدائی سے مولانا رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ انتہائی بے چین ہوگئے اور ان کی زندگی تلخ ہوگئی۔

مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر ان کے پیر حضرت شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فیضِ صحبت نے کیا اثر کیا، اس کا پتہ مثنوی سے چلتا ہے، مثنوی معنوی میں مولانا رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی زبان مبارک سے، جو ساڑھے اٹھائیس ہزار اشعار نکلے، وہ عشق کی آگ دراصل حضرت تبریزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تھی، جو زبان کی محتاج تھی اور مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی زبان بنادیا ؎

اے سوختہ جاں پھونک دیا کیا مرے دل میں
ہے شعلہ زن اک آگ کا دریا مرے دل میں

(مجذوب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

مولانا رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بادشاہ کے نواسے اور اپنے وقت کے زبردست محدث ومفسر تھے، جس وقت پالکی پر چلتے تو مولانا کی محبت میں سینکڑوں شاگرد پاپیادہ پیچھے پیچھے چلتے تھے، اب وہی مولانا رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں کہ اللہ کی محبت میں اپنے

پیر کا سب سامان گدڑی، چکی، پیالہ، غلہ اور بستر سر پر رکھے ہوئے گلی در گلی پھر رہے ہیں۔

عشقِ تبریزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اس طرح دیوانہ کر دیا کہ نہ پالکی رہی، نہ جبہ و دستار، نہ تلامذہ کا ہجوم، شانِ علم پر شانِ فقر غالب ہوگئی اور علم کی صحیح حقیقت سے آگاہ ہوگئے۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کئی کئی گھنٹے تنہائی میں اپنے پیر کی خدمت میں رہ کر، اپنے سینہ میں اس آتشِ عشق کو جذب کر لیا تھا۔ جس کے متعلق حضرت تبریزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حق تعالیٰ سے دعا مانگی تھی کہ اے اللہ! مجھے کوئی ایسا بندہ عطا فرمایئے جو میری آتشِ محبت کا تحمل کر سکے۔

شیخِ کامل کے فیضِ صحبت سے مولانا رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سینہ میں علم و معرفت کا سمندر موجیں مارنے لگا۔ اور علم کا یہ سمندر ایسا وسیع ہے کہ آج تک اولیاء امت اس سے فیض یاب ہو رہے ہیں اور مثنوی مولانا روم (آپ کے کلام کا شعری مجموعہ) آج بھی دلوں میں عشقِ حق کی آگ لگا رہی ہے۔ مولانا کے علوم و معارف کا پتہ مثنوی معنوی کے مطالعہ سے چلتا ہے چنانچہ علم کی ایک مثال ذکر کرتے ہیں۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مولانا کے عشق کا مقام کتنا بلند ترین ہے، فرماتے ہیں:

''کوہِ طور کی سطحِ ظاہری پر جب نورِ صمد نے تجلی فرمائی تو طور پارہ پارہ ہوگیا، تاکہ نور صرف ظاہر پر نہ رہے، باطن میں بھی داخل ہو جائے''۔

''جیسا کہ بھوکے کے ہاتھ پر جب روٹی کا ٹکڑا رکھ دیا جاتا ہے تو ہوش سے وہ منہ اور آنکھیں پھاڑ دیتا ہے۔ یہی حالت طور کی ہوئی، گویا اس نے منہ پھاڑ دیا کہ غذائے

نور جس طرح اس کے ہاتھ یعنی ظاہر پر رکھی گئی، اسی طرح اس کے باطن میں پہنچا دی جائے"۔

مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تمام انسانوں کو اپنے باطن میں تعلق مع اللہ کی لازوال دولت پیدا کرنے کی دعوت دی ہے، جس نعمت کو انہوں نے خود چکھا تھا، اس کو چاہتے ہیں کہ عام ہو جائے۔

حضرت تبریزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے انتقال کے بعد مولانا کسی ایسے ہی دیوانے کی تلاش میں رہتے تھے، ایک دن اسی بے چینی میں صلاح الدین زرکوب کی دوکان کے پاس سے گزرے، وہ ورق کوٹ رہے تھے۔ ورق کوٹنے کا ہتھوڑا کچھ اس انداز سے آواز پیدا کرتا ہے کہ اہلِ دل اس آواز سے اپنے قلب میں ایک کیفیتِ عشق محسوس کرتے ہیں۔ پھر مولانا تو سراپا عشق اور سوختہ جان تھے، یہ آواز سن کر بے ہوش ہو گئے۔ صلاح الدین زرکوب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ہاتھ نہیں روکا اور بہت سے ورق ضائع کر دیئے۔ بالآخر صلاح الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دل میں مولانا کے فیضِ باطن سے اسی وقت عشقِ الٰہی کی آگ لگ گئی اور غلبۂ عشق میں دوکان کھڑے کھڑے لٹا دی اور مولانا کے ہمراہ ہو لئے۔

نو سال تک صلاح الدین رحمہ اللہ، مولانا کی خدمت میں رہے ان کی صحبت سے مولانا کو بہت سکون ملا، بالآخر ۶۶۴ھ میں صلاح الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے انتقال فرمایا، ان کی وفات کے بعد مولانا نے اپنے مریدین سے مولانا حسام الدین چلپی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اپنا ہمراہ بنالیا اور پھر جب تک زندہ رہے، ان کی صحبت سے محبوبِ حقیقی کا غمِ فراق ہلکا کرتے رہے۔ انہیں مولانا حسام الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ترغیب

پر مولانا نے اپنی مشہور تصنیف مثنوی شریف لکھی۔

مذکورہ بالا واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے حالاتِ زندگی سے سبق ملتا ہے کہ جب تک علم پر عمل، اور علم کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی خشیت وولایت حاصل نہ کی جائے تو اس وقت تک اس سے مخلوقِ خدا کو فائدہ نہیں پہنچتا۔ بلکہ بسا اوقات نرا علم ومطالعہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے بغیر فتنہ بن جاتا ہے۔ جس سے صاحبِ علم خود بھی گمراہ ہوتا ہے اور دوسروں کی گمراہی کا ذریعہ بھی بن جاتا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دربار میں قاصدِ روم کا حاضر ہونا

قیصرِ روم کا سفیر جب ہدایا وتحائف لے کر مدینہ پہنچا تو لوگوں سے دریافت کیا کہ تمہارے بادشاہ کا محل کہاں ہے؟

اہل مدینہ نے کہا کہ ہمارے بادشاہ کا کوئی محل نہیں ہے البتہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا محل تو ان کی پاک روح ہے، جو اللہ کے تعلقِ خاص اور

تجلیاتِ قرب سے منور ہورہی ہے، جس نے انہیں سارے جہان کے شاہی محلات سے مستغنی کردیا ہے۔

لوگوں نے کہا کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، مدینہ کے قبرستان میں ملیں گے، قبرستان جاکر قاصدِ روم نے دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، قمیض اتارے، ہوئے صرف تہبند پہنے ہوئے زمین پر سورہے ہیں۔ نہ تخت، نہ تاج، نہ فوج ولشکر اور نہ حفاظتی دستہ، مگر ان کے چہرہ پر نظر پڑتے ہی قاصدِ روم رعب وہیبت سے کانپنے لگا اور اپنے دل میں کہنے لگا:

میں نے بڑے بڑے بادشاہوں کو دیکھا ہے، اور ایک مدت تک بڑے بڑے سلطانوں کا ہم نشین رہا ہوں۔

بادشاہوں سے مجھے کبھی خوف نہ محسوس ہوا، لیکن اس ٹاٹ کا لباس پہنے ہوئے شخص کی ہیبت تو میرے ہوش اڑا رہی ہے۔

یہ شخص بغیر کسی ہتھیار کے اور بغیر کسی فوجی پہرہ کے زمین پر اکیلا سویا ہوا ہے، لیکن کیا وجہ ہے کہ اس کی ہیبت سے میرا پورا جسم کانپ رہا ہے، اور ایسا لرزہ طاری ہے کہ اگر مجھے سات جسم اور عطا ہوجائیں تو اس لرزہ کا تحمل نہ کرسکیں اور سب کانپنے لگیں۔ پھر وہ قاصد دل میں کہنے لگا۔

یہ رعب اس پھٹے پرانے لباس والے شخص کا نہیں ہے، دراصل یہ اللہ کا رعب ہے، کیونکہ اس پیوند زدہ لباس والے بادشاہ کا قلب اللہ کے قرب اور معیّتِ خاصہ سے مشرف ہے، پس یہ اسی معیّتِ الٰہی کا رعب وجلال ہے، جو اس مردِ حق کے چہرہ سے نمایاں ہورہا ہے۔

پھر یہ قاصد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صحبت کے فیض سے مشرّف بہ اسلام ہوگیا۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو خدا سے ڈرتا ہے اور تقویٰ اختیار کرتا ہے اس سے جن اور انسان سب ڈرتے ہیں، اور جو بھی دیکھے گا اس پر ہیبت اس مردِ حق کی غالب ہوگی۔

مذکورہ بالا واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

اس حکایت سے یہ سبق ملتا ہے کہ انسان کو حقیقی عزت اللہ تعالیٰ کے قوی اور صحیح تعلق سے نصیب ہوتی ہے، نہ کہ ظاہری آرائش سے، جیسا کہ نادان لوگ اپنے رب کو تو ناراض رکھتے ہیں اور اس کی نافرمانیوں کے باوجود عزت حاصل کرنے کے لئے بنگلے اور قیمتی لباس اور کاروبار کا سہارا لیتے ہیں، لیکن ان کی عزت کا جو مقام ہے وہ دنیا دیکھتی ہے کہ غائبانہ گالیاں پاتے ہیں۔ آج صدرِ مملکت ہیں اور مستعفیٰ ہوئے یا تختہ الٹا گیا تو اخباروں کی سرخیوں پر ان کا اعزاز واکرام نظر آجاتا ہے۔ یہ دراصل بادشاہ ہیں، باد کے معنی ہوا یعنی ان کی عزت شاہی ہوا پر تھی۔ اور اولیاء اللہ کی حقیقی شاہی ہوتی ہے اس لئے انہیں شاہ کہا جاتا ہے۔ زندگی میں بھی اور انتقال کے بعد بھی دنیا ان کا عزت سے نام لیتی ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے تاج کا واقعہ

ایک بار حضرت سلیمان علیہ السلام نے آئینہ کے سامنے اپنا تاج سر پر رکھا تو وہ تاج ٹیڑھا ہوگیا، آپ نے سیدھا کیا تو وہ پھر ٹیڑھا ہوگیا، اس طرح تین بار سیدھا کیا اور تاج تینوں بار ٹیڑھا ہوگیا، بس آپ غلبۂ خوفِ الٰہی سے سجدہ میں رونے لگے اور استغفار کرنے لگے، اس کے بعد پھر تاج رکھا تو وہ ٹیڑھا نہ ہوا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام سمجھ گئے تھے کہ میری کوئی بات اللہ تعالیٰ کو پسند نہ آئی ہوگی اور اللہ تعالیٰ کی نظرِ کرم پھر گئی ہے، اس لئے یہ تاج بے جان ہونے کے باوجود مجھ سے پھر گیا ؏

نگاہِ اقربا بدلی مزاجِ دوستاں بدلا
نظر اک ان کی کیا بدلی کہ کل سارا جہاں بدلا

(مجذوب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

اس واقعہ میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ تاج تو بے جان تھا، پھر بے جان نے حرکت کیسے کی کہ ٹیڑھا ہوگیا۔ مولانا نے اپنے شعر میں اسی سوال کا جواب دیا ہے کہ مٹی اور ہوا، پانی اور آگ یہ ''عناصرِ اربعہ'' کہلاتے ہیں اور انہی سے اشیاء کی تعمیر اور تخلیق ہوتی ہے، تو یہ عناصر اگرچہ ہماری نظروں میں مردہ اور بے جان ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کے

ساتھ ان کا تعلق زندوں ہی جیسا ہے، یہ تمام جمادات اور نباتات امرِ الٰہی کو سمجھتے ہیں اور حکم سنتے ہی فوراً تعمیلِ حکم بجالاتے ہیں۔

مذکورہ بالا واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ خلاف معمول کام دیکھ کر ہمیں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اگر ایسے حالات پیش آرہے ہوں جو خلافِ طبیعت اور ناگوار ہوں تو استغفار کی کثرت کرنا چاہیے۔

ایک شخص کا منہ ٹیڑھا ہو جانا

ایک بدبخت شخص نے مذاق کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامِ مبارک منہ چڑا کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو فوراً یہ سزا دی کہ اس کا منہ ٹیڑھا ہو گیا۔

وہ بدبخت اور نالائق معافی کے لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ مجھے معاف کر دیئے، آپ کو علم لدنّی کے الطاف حاصل ہیں۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کی رسوائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کو نیک لوگوں پر طعن کرنے کی طرف مائل کر دیتا ہے کسی گناہ کی سزا میں عقل پر اس قسم کا وبال آتا ہے کہ کسی ولی اللہ کو برا کہنا اور طعنہ دینا شروع کر دیتا ہے اور

اس کے اس جرم کو ہلاکت اور رسوائی کا سبب بنا دیتے ہیں۔

اور جب حق تعالیٰ کسی بندہ کے عیبوں پر پردہ ڈالنا چاہتے ہیں تو اس کو توفیق دیتے ہیں کہ وہ گناہ گار لوگوں کے عیب پر بھی گفتگو نہیں کرتا۔

مذکورہ بالا واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہم ہر لحاظ سے اپنی گفتگو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے پیارے صحابہ رضی اللہ عنہم اور انبیاء کرام کے وارثین، ائمہ دین اور علماء کرام اور اولیائے عظام کے ساتھ ادب کا برتاؤ رکھیں۔ وگرنہ بے ادبی کی صورت آخرت کی گرفت کے ساتھ ساتھ دنیا میں بھی وبال کا اندیشہ ہوتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صبر وتحمل کا واقعہ

حضرت شعیب علیہ السلام کے یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بکریوں کے چرانے کا قصہ قرآن شریف میں ذکر کیا گیا ہے۔ اسی زمانے میں ایک دن ایک بکری حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام سے بھاگ گئی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاؤں میں اس کی تلاش میں دوڑنے سے چھالے ہو گئے اور آپ علیہ السلام اس کی تلاش میں اتنی

دور نکل گئے کہ اصل گلہ بھی نظر نہ آتا تھا۔ وہ بکری آخر کار تھک کر سست ہوگئی اور کسی جگہ کھڑی ہوگئی، تب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وہ ملی۔

آپ نے اس پر بجائے غصہ اور مار پیٹ کے اس کی گردن جھاڑی اور اس کی پشت اور سر پر ہاتھ پھیرنے لگے اور ماں کی طرح اس پر نوازش کرنے اور باوجود اس قدر اذیت برداشت کرنے کے ذرہ برابر بھی اس پر کدورت اور غصہ نہ کیا اور اس کی تکلیف کو دیکھ کر آپ کا دل نرم ہوگیا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے، اور بکری سے فرمایا کہ میں نے فرض کیا کہ تجھے مجھ پر رحم نہیں آیا، اس لئے تو نے مجھے تھکایا، لیکن تجھے اپنے اوپر رحم کیوں نہ آیا؟ میرے پاؤں کے آبلوں اور کانٹوں پر تجھے رحم نہ آیا تو تجھے اپنے اوپر تو رحم آنا چاہیے تھا۔

اسی وقت ملائکہ سے حق تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ نبوت کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام زیبا ہیں (اس وقت تک آپ کو نبوت نہ عطا ہوئی تھی) یعنی امت کا غم کھانے اور ان کی طرف ایذا رسانی کے تحمل کے لئے جس حوصلہ اور جس دل وجگر کی ضرورت ہوتی ہے، وہ خوبی ان میں موجود ہے۔

مذکورہ بالا واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ صبر وتحمل اور برداشت اتنی بڑی خوبی ہے کہ جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نبوت کے لئے انتخاب کرلیا۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم دوسروں کی طرف سے پہنچنے والی تکالیف پر آگ بگولہ ہوکر انتقام لینے کے بجائے برداشت سے کام لیں، اس سے گہرا دشمن بھی دوست بن جاتا ہے۔

حضرت صفوراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا واقعہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چہرۂ مبارک پر کوہ طور کی تجلی کے بعد ایسا نور ہر وقت رہتا تھا کہ جو شخص بھی بغیر نقاب آپ کے چہرہ کو دیکھتا، اس کی آنکھ کی روشنی چکا چوند ہو کر ختم ہو جاتی۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ ایسا نقاب عطا فرمایئے جو اس طاقت ور نور کو چھپا لے اور آپ کی مخلوق کی آنکھوں کو نقصان نہ پہنچے۔

ارشاد ہوا کہ اپنے اس کمبل کا نقاب بنالو جو کوہِ طور پر آپ کے جسم پر تھا کیونکہ اس نے طُور کی تجلی کو برداشت کیا ہوا ہے، اس کمبل کے علاوہ اے موسیٰ علیہ السلام! اگر کوہ قاف بھی آپ کے چہرہ کی تجلی بند کرنے کو آ جائے تو وہ بھی کوہ طُور کی طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے کمبل کا نقاب بنالیا اور نقاب کے بغیر عام لوگوں کو اپنا چہرہ دیکھنے سے منع فرمادیا۔ اس کمبل کے ٹکڑے نے وہ کام کیا جو آہنی دیواریں بھی نہ کر سکتی تھیں۔

اب حضرت صفورا علیہا السلام جو آپ کی اہلیہ تھیں، اور آپ کے حسنِ نبوت پر عاشق تھیں، اس نقاب کی وجہ سے بے چین ہو گئیں اور جب آپ کی بیوی نے عشق و محبت

سے مغلوب ہو کر شوق اور بے تابی سے نقاب اٹھا کر پہلے ایک آنکھ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چہرہ کے نور کو دیکھا اور اس سے ان کی وہ آنکھ غائب ہوگئی۔ اس کے بعد بھی ان کو صبر نہ آیا اور دوسری آنکھ بھی کھول دی اور اس دوسری آنکھ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چہرہ پر کوہ طور کی تجلّی کا نور دیکھنا چاہا تو وہ بھی بے نور ہوگئی۔

اس وقت حضرت صفورہ علیہا السلام سے ایک عورت نے پوچھا کہ کیا تمہیں اپنی آنکھوں کے بے نور ہونے پر کچھ غم اور افسوس نہیں ہوا؟

انہوں نے جواب دیا کہ مجھے تو یہ حسرت ہے کہ ایسی سینکڑوں اور ہزاروں آنکھیں اور بھی عطا ہو جاتیں تو میں ان سب کو اس محبوب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے منور چہرہ کے دیکھنے میں قربان کر دیتی۔

حق تعالیٰ کو حضرت صفورہ علیہا السلام کے عشق کا یہ مقام اور یہ کلام بہت پسند آیا اور خزانۂ غیب سے پھر ان کی دونوں آنکھوں کو ایسی بینائی کا نور بخش دیا جس سے وہ ہمیشہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کرتی تھیں، اور اس میں ایسی برداشت اللہ تعالیٰ نے پیدا کر دی تھی کہ وہ پھر کبھی بھی چہرۂ انور کے اس خاص نور سے ضائع نہ ہوئیں۔

مذکورہ بالا واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے اولیاء کے ساتھ محبت کرنا ان کو اتنا پسند ہے کہ اس کے صلہ میں بسا اوقات دنیا میں ایسی نعمتوں سے نوازتے ہیں کہ جن کا عام حالات میں اک انسان تصوّر بھی نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ حضرت صفوراء کو اللہ تعالیٰ نے نابینا سے بینا کر دیا۔

چوہے اور مینڈک کی دوستی کا واقعہ

ایک دریا کے کنارے ایک چوہے سے ایک مینڈک کی دوستی ہوگئی، اور یہ محبت عشق کی حد تک جا پہنچی، یہاں تک کہ دونوں ایک وقتِ معیّن پر ہر صبح کو ملاقات کے پابند ہوگئے اور دیر تک دونوں تبادلۂ خیالات کرتے تھے۔ دونوں کا دل باہم ملاقات سے بہت خوش ہوتا۔ ایک دوسرے کو قصّے سناتے بھی تھے اور سنتے بھی تھے۔ آپس میں راز و نیاز کی باتیں کرتے۔ بے زبان بھی تھے اور بازبان بھی تھے، جب آپس میں ملتے تو ایک دوسرے کو پانچ پانچ سال کے قصّے یاد آجاتے۔

مینڈک سے ایک دن چوہے نے کہا کہ آپ تو پانی کے اندر دوڑ لگاتے رہتے ہیں اور ہم خشکی میں جدائی کا غم کھاتے ہیں۔ میں ندّی کے کنارے تجھے آواز دیتا ہوں تو پانی کے اندر عاشقوں کی آواز سنتا ہی نہیں۔ اور میں صرف تھوڑے سے مقرّرہ وقت پر گفتگو سے سیر نہیں ہوتا۔

چوہے نے پھر کہا: یار مینڈک! میں بدون تیرا چہرۂ حسیں دیکھے ایک دم کو بھی چین نہیں پاتا، دن کو میری معاش تیرا دیدار ہے، رات کو میری تسلی اور قرار اور نیند تو ہی ہے، تیرا احسان ہوگا کہ تو مجھے خوش کردیا کرے اور وقت، بے وقت ملاقات کا لطف چکھا

دیا کرے۔

اس چوہے نے مزید عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے مینڈک سے کہا کہ اے بھائی! میں خاکی ہوں اور تو آبی ہے، یعنی پانی کا رہنے والا ہے۔ میں پانی میں آنہیں سکتا، مجبور ہوں اور تو خشکی میں آ سکتا ہے، لیکن تم کو اطلاع کیسے کیا کروں کہ میں تم سے ملاقات کا مشتاق ہوں۔

خیر! دیر تک اس پر مشورہ ہوتا رہا اور آخر کار چوہے نے یہ رائے پیش کی کہ ایک لمبی ڈوری (رسی) لائی جائے اور ایک کنارہ اس کا تمہارے پاؤں میں بندھا ہوا ہو اور دوسرا سرا میرے پاؤں میں بندھا ہو۔ پس جب مجھ کو ملاقات کرنی ہوگی، ڈوری کو ہلا دوں گا تو اس طرح تمہیں پانی کے اندر ڈوری کی حرکت محسوس ہوگی اور تم ندی کے کنارے آجایا کرنا۔ اس طرح ہم دونوں کی ملاقات ہوجایا کرے گی۔

مینڈک کو چوہے کی یہ بات بری معلوم ہوئی اور دل میں کہنے لگا کہ یہ خبیث مجھے اپنے قید و بند میں لانا چاہتا ہے۔

اس خیال کے باوجود مینڈک نے اپنے دل میں میلان پایا کہ چوہے کی درخواست قبول کرلے، عقل پر جب طبعی خواہش غالب ہوجاتی ہے تو یہ نہایت خطرناک مستقبل کا نقطۂ آغاز ہوتا ہے۔ چنانچہ کچھ عرصہ تک یہ دونوں ڈوری ہلا کر بار بار ملاقات کی لذّت کے عادی ہوگئے تھے کہ ایک دن اس بُری صحبت کا انجام سامنے آیا کہ اس خبیث چوہے کو ایک چیل اپنے پنجے میں جکڑ کر لے اڑی اور ساتھ ہی ساتھ چونکہ ڈوری کا دوسرا سرا مینڈک کے پاؤں میں بندھا ہوا تھا، اس وجہ سے مینڈک بھی اپنی عافیت اور سکون کی جگہ پانی کے اندر سے لٹکا ہوا چیل کے ساتھ ساتھ اوپر فضا میں لٹک گیا۔ چوہے

خبیث کا جو حشر ہو، وہی اس مینڈک کا بھی حشر ہوا، یعنی دونوں کو ہلاک کر کے چیل نے اپنا لقمہ بنالیا۔ اگر مینڈک پانی کے اندر رہتا اور چوہے خبیث سے دوستی کا یہ رابطہ قائم نہ کرتا تو پانی کے اندر چیل کی دشمنی اس کا کچھ بال بیکا نہ کر سکتی اور نہ ہی وہ اس چیل کا لقمۂ تر بنتا۔

مذکورہ بالا واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

اس واقعہ میں مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے بری صحبت سے بچنے کی کس خوبصورت انداز سے ہدایت کی ہے کہ پرلطف قصہ بھی ہے اور ہدایت کی راہ بھی ہے۔

اس عبرتناک واقعہ سے ہمیں سبق ملتا ہے کہ ہمیں برے لوگوں کے ساتھ دوستی رکھنے اور ان کی سوسائٹی سے اجتناب کرنا چاہیے۔ کیونکہ برا آدمی جب اپنی برائی کی وجہ سے کسی دینی اور دنیوی مصیبت میں پھنستا ہے تو اس کے ساتھ دوستی اور تعلق رکھنے والا بھی ساتھ ہی ہلاک و برباد ہو جاتا ہے۔

ایک دکاندار کے طوطے کا واقعہ

ایک دوکاندار نے ایک طوطا پال رکھا تھا، جو بہت سریلی آواز اور سبز رنگت والا تھا۔ طوطے سے اس دوکاندار کو بہت محبت تھی اور یہ طوطا خوب باتیں کرتا اور خریداروں کو خوش کرتا اور جب دوکاندار نہ ہوتا تو دوکان کی وہ حفاظت بھی کرتا۔

ایک دن دوکاندار موجود نہ تھا کہ اچانک ایک بلی نے کسی چوہے کو پکڑنے کے لئے حملہ کیا، اس طوطے نے سمجھا کہ شاید مجھے پکڑنا چاہتی ہے، یہ اپنی جان بچانے کے لئے ایک طرف کو بھاگا، اسی طرف بادام کے روغن کی بوتل رکھی تھی چنانچہ سارا روغن گر گیا۔

جب دوکاندار آیا تو اس نے اپنی گدی پر تیل کی چکناہٹ محسوس کی اور دیکھا کہ بوتل سے تیل گر گیا ہے۔ اس نے غصہ میں اس طوطے کے سر پر ایسی چوٹ لگائی جس سے اس کا سر گنجا ہو گیا، یہ طوطا اس دوکاندار سے ناراض ہو گیا اور اس نے بولنا چھوڑ دیا۔

طوطے کے اس فعل سے دوکاندار کو سخت پریشانی ہوئی، اور بہت ندامت ہوئی کہ اب میں کیا کروں، کیونکہ دوکاندار کو اس کی باتوں سے بڑا لطف ملتا تھا۔ کئی روز تک اس طوطے کی خوشامد کی، طرح طرح کے پھل دیئے کہ خوش ہو جائے لیکن طوطا بالکل خاموش تھا۔ اس دوکان پر جو خریدار آتے وہ بھی اس کے خاموش رہنے سے تعجب اور افسوس کرتے۔

ایک دن اس دوکان کے سامنے سے ایک کمبل پوش فقیر سر منڈائے ہوئے گزرا تو یہ طوطا فوراً بلند آواز سے بولا کہ اے گنجے! تو کس وجہ سے گنجا ہوا، تو نے بھی کسی بوتل سے تیل گرا دیا ہوگا۔

طوطے کے اس قیاس پر لوگوں کو ہنسی آئی کہ اس نے کمبل پوش فقیر کو بھی اپنے اوپر قیاس کیا۔

مذکورہ بالا واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

اس واقعہ سے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ یہ نصیحت فرماتے ہیں، کہ ہمیں دوسروں کو اپنی حالت پر قیاس نہیں کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ عموماً لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ

دوسروں کو اپنے اوپر قیاس کرتے ہیں، خود اگر کسی گناہ، بدگمانی، غیبت، بدنظری وغیرہ میں مبتلا ہوتے ہیں تو دوسروں کے بارے میں بھی یہی گمان کرتے ہیں۔

اگر کوئی شخص خود دلی طور پر پاکیزہ ہو اور متقی ہو تو دوسروں کے بارے میں کبھی بھی ایسا نہ سوچے گا۔

نمرود کی سرکشی کا واقعہ

اللہ تعالیٰ شانہ نے عزرائیل علیہ السلام (فرشتۂ موت) سے کہا کہ تم نے اب تک جتنے لوگوں کی روحیں قبض کی ہیں، تم کو ان سب میں کس پر زیادہ رحم آیا؟

انہوں نے جواب دیا کہ کبھی پر میرا دل غم سے نرم ہوتا ہے، مگر آپ کے حکم کی تعمیل پر سرِ تسلیم خم کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ سب سے زیادہ کس پر دل رقیق اور غمگین ہوا؟

حضرت عزرائیل علیہ السلام نے عرض کیا اے ہمارے رب! ایک واقعہ نے میرے دل کو سب سے زیادہ غمزدہ کیا تھا۔ اور وہ واقعہ یہ ہے کہ ایک دن سمندر کی تیز لہروں پر ہم نے آپ کے حکم سے ایک کشتی توڑ دی۔ یہاں تک کہ ریزہ ریزہ ہوگئی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ سب کی جان قبض کرلے سوائے ایک عورت اور اس کے بچے کے۔

اس گروہ کے سب لوگ ہلاک ہو گئے، بجز اس عورت اور اس کے بچے کے کہ دونوں ایک تختے پر رہ گئے۔ تختے کو وہ موجیں چلاتی تھیں، جب کنارہ پر اس تختے کو ہوا نے ڈالا تو دونوں کی خلاصی سے میرا دل خوش ہوا، پھر آپ نے فرمایا کہ اب ماں کی جان قبض کرو اور بچے کو تنہا چھوڑ دو۔ آپ کے حکم سے جب میں نے ماں کی جان قبض کی اور بچے کو تنہا چھوڑا اور بچہ ماں سے جدا ہو گیا اس وقت آپ خود جانتے ہیں کہ کس قدر مجھے غم ہوا اور ہمارے دل پر کیا گزری۔ مگر ہم آپ کے حکم کی تعمیل پر مجبور تھے، آپ کے قضا اور فیصلے سے کون سرتابی اور روگشی کا پتہ رکھتا ہے۔

اے رب! میں نے ماں کی روح قبض کرتے ہوئے اپنے دل میں عظیم صدمہ برداشت کیا اور اس بچے کی یاد اور اس کی بے کسی اب تک میرے تصور و خیال سے نہیں گئی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: اب تم اس بچے کا ماجرا سنو، کہ میں نے کس طرح اس کی پرورش کی، اس بچہ کے لئے میں نے موجوں کو حکم دیا کہ اس کو ایک جنگل میں ڈال دو، اور ایسے جنگل میں جہاں سوسن، ریحان اور خوشبودار پھول ہوں اور میوہ دار درخت ہوں اور اس میں آبِ شیریں کے چشمے ہوں۔ میں نے اس بچے کو بے شمار نعمتوں سے پالا، لاکھوں سریلی آواز والے پرندوں نے جنگل کو اپنی آوازوں سے مسحور کر رکھا تھا۔ اس باغ میں سو آوازیں ڈال رکھی تھیں اور میں نے برگ نسرین سے اس کا بستر بنایا تاکہ مصیبتوں اور آفات سے وہ بچہ مامون رہے۔ میں نے خورشید کو حکم دیا کہ اس کی طرف شعائیں تیز نہ کر اور اپنی رفتار میں اس کا خیال رکھ۔ ہوا کو حکم دیا کہ اس پر آہستہ چل۔ بادل کو حکم دیا کہ اس پر بارش مت برسا۔ بجلی کو حکم دیا کہ اس پر تیزی سے مت گرج۔ موسمِ

خزاں کو حکم دیا کہ اس چمن سے بہار ختم نہ کر۔ایک چیتے نے نیا بچہ جنا تھا، میں نے اس کو حکم دیا کہ اس بچے کو دودھ پلائے، یہاں تک کہ وہ بچہ موٹا شیر کی طرح جوان ہوگیا۔ جب دودھ چھڑانے کا وقت آیا تو میں نے جنات کو حکم دیا کہ اس کو بولنا اور حکومت کرنا سکھاؤ، اس کی میں نے اس طرح پرورش کی جو تمام مخلوقات کے لئے عجیب اور حیرت انگیز ہے اور میرے کام اسی طرح عجیب وغریب ہوتے ہیں۔

دیکھو! میں نے حضرت ایوب علیہ السلام کے بدن میں کیڑوں کی پرورش کرائی اوران کو کیڑوں پر باپ جیسی شفقت عطا کی، یہاں تک کہ اگر کوئی کیڑا جسم سے نکل کر دور ہوتا تو انہیں ایسا محسوس ہوتا کہ میری اولاد مجھ سے جدا ہوگئی۔

غرض اس بچے پر میں نے سینکڑوں عنایات اور سینکڑوں کرم نوازیاں کیں تاکہ وہ میرا لطف وکرم اسباب کے بغیر دیکھ لے۔

مگر اے عزرائیل! اس بچے نے میرا شکر کیا ادا کیا؟ یہی بچہ نمرود ہوگیا اور میرے خلیل ابراہیم علیہ السلام کو جلانے والا نکلا، اس کا ارادہ یہی تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل پر نمرود کی آگ کو گلزارِ امن بنادیا۔

ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں کا شکر ادا کریں، مال و دولت اور عہدہ و منصب سے مغرور ہوکر سرکشی پر نہ اتریں۔ورنہ اس کا انجام بھی نمرود کی طرح ہوگا اور دنیا و آخرت دونوں برباد ہوجائیں گے۔

مذکورہ بالا واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ ہمیں ہر وقت اللہ تعالیٰ کے انعامات پر نظر رکھتے ہوئے اس کا شکر گزار بندہ بننا چاہیے۔کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی

نعمتوں کی وجہ سے مغرور ہوکر سرکشی پر اتر آئیں۔ اور پھر ہمارا حشر ویسا ہی عبرتناک ہو، جس طرح کہ ہم سے پہلے گزرے ہوئے سرکش لوگوں کا ہوا تھا۔

حضرت لقمان علیہ السلام کی دانائی کا ایک واقعہ

حضرت لقمان علیہ السلام کو جب ان کے آقا نے خریدا تو اور غلاموں نے ان کو حقیر سمجھا، ایک دن آقا نے سب غلاموں کو باغ میں بھیجا کہ باغ کے پھلوں کو توڑ لائیں، تمام غلاموں نے باغ میں پھل توڑ کر خوب شکم سیر ہوکر کھائے اور آقا سے کہا کہ باغ کے پھلوں کو (حضرت) لقمان نے کھالیا ہے، آقا لقمان علیہ السلام پر بہت ناراض ہوا۔

حضرت لقمان علیہ السلام نے آقا سے کہا کہ آپ اس الزام کی تحقیق کرلیں۔ میں نے نہیں کھایا، میں آپ کو ایک تدبیر بتاتا ہوں، اس کے ذریعہ یہ حقیقت آپ پر منکشف ہوجائے گی، کہ میوہ کس نے کھایا ہے۔

آقا نے پوچھا وہ کیا تدبیر ہے؟

آپ نے فرمایا: آپ شکار کی تیاری کریں، اصطبل سے گھوڑا منگایا گیا، آقا گھوڑے پر بیٹھا اور حضرت لقمان علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ شکار کے لئے صحرا کی طرف تیز چلیں اور چلنے سے قبل سب کو گرم پانی پلادیں اور سب کو شکم سیر پانی پلایا جائے

تھوڑی ہی دیر میں معلوم ہو جائے گا کہ مجرم کون ہے۔

الغرض! جب غلاموں کو دوڑنا پڑا تو جن لوگوں نے میوہ کھایا تھا، سب کو تیز حرکت کرنے سے قے ہوگئی۔ کیونکہ گرم پانی پی کر دوڑنے سے معدہ اور گرم ہوگیا اور راستہ بھی صحرا کا ناہموار نشیب وفراز والا تھا، جس سے قے ہونا یقینی تھا۔ پس قے میں میوہ صاف ظاہر ہوگیا کیونکہ تازہ تازہ کھایا تھا، ابھی اتنا عرصہ نہ گزرا تھا کہ وہ معدہ میں ہضم ہو کر آنتوں میں اتر جاتا اور حضرت لقمان علیہ السلام کو قے نہ ہوئی، کیونکہ ان کے پیٹ میں میوہ نہ تھا۔

حضرت لقمان علیہ السلام کی اس حکمت سے سب غلاموں کو شرمندگی اور ندامت ہوئی اور ان کی حکمت سے آقا بہت خوش ہوا اور یہ آقا کے مقرب ہوگئے۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب لقمان علیہ السلام کی حکمت کا یہ حال ہے تو مالک حقیقی ربّ ودود کی حکمت کا کیا ٹھکانہ ہوگا۔

مذکورہ بالا واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ جھوٹ اور حسد کا انجام بالآخر شرمندگی ہوتا ہے۔ چنانچہ حاسد اور جھوٹے شخص کو دنیا میں بھی شرمندگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور اگر اس نے توبہ نہ کی تو آخرت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے بھی شرمندگی اٹھانا پڑے گی۔

ایک اللہ والے کی ''آہ'' کی قبولیت کا واقعہ

ایک بزرگ جو نماز ہمیشہ با جماعت پڑھا کرتے تھے، ایک دن کسی نماز کے لئے مسجد کے دروازے تک پہنچے ہی تھے کہ امام مسجد سے بآواز بلند ''السّلام علیکم ورحمۃ اللہ'' کی آواز سنی، جماعت کی نماز ختم ہو جانے سے ان بزرگ کو جو صدمہ ہوا کہ اس صدمہ سے آہ نکل گئی۔ ان بزرگ سے جماعت فوت ہونے کے غم سے آہ نکلی، اور آہ بھی نہایت درد سے پُرتھی، کیونکہ اس صدمہ سے ان کا دل خون ہو گیا تھا اور ان کی آہ میں ان کے دل کے خون کی بو آرہی تھی۔

مسجد میں ایک اہلِ دل بزرگ نے دیکھا کہ ایک روشنی مسجد کے باہر سے آئی اور عرش تک چلی گئی، یہ اٹھ کر باہر آئے تو دریافت کیا کہ یہ کس کا نور تھا؟ معلوم ہوا کہ کوئی صاحب ہیں، جن کی جماعت فوت ہو جانے سے آہ نکل گئی۔ یہ سمجھ گئے کہ بس اسی آہ کا یہ نور تھا۔

اس بزرگ نے عرض کیا کہ حضرت! آپ مجھے اپنی یہ آہ دے دیجئے اور میری نماز با جماعت اس کے بدلہ میں لے لیجئے۔

انہوں نے اپنی آہ کا نور اور اس کا مقام نہ سمجھا اور نماز با جماعت سے تبادلہ کر لیا۔ رات کو اس بزرگ نے جنہوں نے نماز با جماعت کے بدلے ''آہ'' خریدی تھی۔

خواب میں دیکھا کہ ایک غیب سے پکارنے والا کہہ رہا تھا کہ اے شخص! تو نے آبِ حیات اور آبِ شفا خریدا ہے، اور تو نے اس ''آہ'' کا بہت اچھا تبادلہ کیا، کیونکہ یہ ''آہ'' اس بندے کی نہایت پر خلوص تھی۔

اور اللہ تعالیٰ نے اس آہ کی مقبولیت اور تیرے اس تبادلہ اور اختیار کی برکت سے اس وقت کی روئے زمین کے تمام مسلمانوں کی نماز قبول فرمالی۔

مذکورہ بالا واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ بندہ ندامت اور توبہ کے آنسوؤں کی برکت سے بسا اوقات عمل کرنے والوں سے بھی اونچا درجہ پالیتا ہے۔ اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بندہ جس قدر اخلاص اور عجز و انکسار کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے احکام بجالاتا ہے اسی قدر وہ عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں شرفِ قبولیت حاصل کرلیتا ہے۔

ہاتھی کی پہچان میں اختلاف کا واقعہ

ایک ملک میں ہاتھی کو کسی نے کبھی نہ دیکھا تھا، وہاں ہاتھی ہندوستان سے درآمد کیا گیا اور اس کو کسی تاریک گھر میں رکھا گیا۔ جہاں آنکھوں سے وہ ہاتھی نظر نہ آتا تھا۔ تاریک گھر اور ہاتھی بھی سیاہ فام اور دیکھنے والوں کا ہجوم تھا، ہر شخص کو جب آنکھوں سے کچھ نہ دکھائی دیتا تو ہاتھ سے ٹٹول کر قیاس کرتا، جس شخص کے ہاتھ میں جو حصہ ہوتا وہ عقل

سے اسی پر دلیل اور قیاس کرتا۔

چنانچہ جس شخص کے ہاتھ میں اس کا کان تھا، اس نے کہا یہ تو ایک بڑا سا پنکھا معلوم ہوتا ہے، اور جس شخص کا ہاتھ اس کی پشت پر تھا، اس نے کہا یہ تو تخت کی طرح کوئی چیز ہے۔ اور جس شخص کا ہاتھ اس کے پاؤں پر تھا، اس نے ٹٹول کر کہا نہیں آپ لوگ غلط کہتے ہیں، یہ تو ستون کی طرح ہے۔ جس شخص کا ہاتھ اس کی سونڈ پر پڑا اس نے کہا، یہ میری تحقیق میں پرنالے کی طرح ہے۔ خلاصہ یہ کہ تمام اہلِ عقل بہت زیادہ اختلاف میں مبتلا ہو گئے۔

حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر ان ہاتھوں میں کوئی شمع ہوتی تو اس روشنی میں یہ سب اختلاف سے محفوظ رہتے۔

راقم الحروف (سیّدی و مرشدی حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم) عرض کرتا ہے کہ آج تمام کائنات میں حق تعالیٰ کی ذاتِ پاک، رسالت اور مقصدِ حیاتِ انسانی اور قیامت کے بارے میں اختلاف ہے، اس تاریک دنیا میں جو لوگ وحی الٰہی کی روشنی سے مستغنی ہو کر دنیا اور آخرت کے سنگین اور رنگین رابطوں کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور خالق اور مخلوق کے تعلقات کے حقوق اور حدود کی تعیین صرف اپنی عقل سے کرنا چاہتے ہیں، یا نبی کے علاوہ کسی شخص کی عقل سے فائدہ حاصل کرتے ہیں تو ان سب کی مثال اسی طرح ہے جیسا کہ قصۂ مذکورہ میں ہے کہ کسی کو بھی حقیقت تک رسائی نہ ہو سکی۔

کیونکہ یہ بات طے شدہ ہے کہ ایک نابینا خواہ خود راستہ طے کرے یا کسی دوسرے نابینا کی لاٹھی پکڑ کر چلے، تو دونوں صورتوں میں ہلاکت سے محرومی ہوگی۔ یہ

راہرو اور راہبر نابینا ہونے کی وجہ سے اگرچہ کتنی ہی اکثریت میں ہوں، مگر مجموعی طور پر نابینا ہی کہلائیں گے اور کسی کو منزل تک نہیں پہنچا سکتے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ اشیاء کی صحیح تحقیق کے لئے محض عقل کافی نہیں بلکہ روشنی بھی ضروری ہے۔ کیونکہ قصۂ مذکورہ میں سب عقلاء ہی تھے، صرف روشنی نہ تھی۔ اس وجہ سے ہاتھی کو نہ پہچان سکے۔

مذکورہ بالا واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں میں اتفاق پیدا کرنے اور ان کے آپس میں اختلافات ختم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ دل کا نور حاصل کریں۔ اور اس لئے نور کے ذریعے سے جب ان کے دلوں سے جہالت کا اندھیرا اور بُرے اخلاق کے کانٹے ختم ہونگے تو حق کا راستہ سب پر واضح ہو جائے گا اور اختلافات مٹ جائیں گے۔ اور دل کا نور حاصل کرنے کا طریقہ اتباع سنت ہے۔ اور ان نیک لوگوں اور اللہ والوں کی صحبت کی برکت سے جو سو فیصد سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ میں رنگے ہوئے ہوں تو خود سنت نبوی پر چلنا آسان ہو جاتا ہے۔

مکھی کی خود پسندی کا واقعہ

ایک جگہ ایک گدھے نے پیشاب کیا، اس کی مقدار اس قدر تھی کہ گھاس کے تنکے اس کے بہاؤ کی زد میں بہنے لگے، ایک مکھی ایک تنکے پر بیٹھ گئی، اور گدھے کے بہتے ہوئے پیشاب پر اس نے محسوس کیا کہ میں دریا میں سفر کر رہی ہوں اور یہ بہتا ہوا تنکا ایک عجیب کشتی ہے، دوسری مکھیوں کے مقابلہ میں اپنے دل میں اسے اپنی برتری کا احساس ہوا۔ اور یہ لطف اس نے کبھی نہ پایا تھا، پس اس کے خیال میں یہ بات آئی کہ میں دوسری مکھیوں پر اپنی فوقیت اور بلندی کا اعلان کروں۔

چنانچہ مکھی نے کہا کہ میں نے دریا اور کشتی رانی کا فن پڑھا ہے، اور اس فکر میں ایک مدت صَرف کی ہے۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ مکھی جس حماقت میں گرفتار تھی، اسی طرح ہمارے عقلائے زمانہ نے اپنے وہموں اور باطل خیالات اور نظریات کا نام تحقیق رکھا ہوا ہے اور وحی الٰہی کے آفتاب سے استفادہ کرنے میں اپنی توہین سمجھتے ہیں۔ اور جس طرح چمگادڑ سورج سے اعراض کرتے ہوئے الٹا لٹکنے کو کمال سمجھتی ہے اسی طرح یہ لوگ خیالِ فاسدہ کی تاریکیوں میں الٹا لٹکنے کو کمالِ انسانیت سمجھتے ہیں۔

مذکورہ بالا واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص یہ سمجھے کہ میں قرآن وسنت اور حضرات اسلاف بزرگانِ دین کے راستے سے ہٹ کر خود ہی حق کا راستہ پالوں گا اور محققؔ بن جاوں گا تو یہ اس کا وہم اور خام خیالی ہے، اس طرح وہ ساری زندگی خوش فہمی میں مبتلا رہے گا، مگر کبھی منزلِ مقصود یعنی اللہ تعالیٰ رضا کو نہیں پا سکتا۔

چمڑا رنگنے والے شخص کا واقعہ

ایک چمڑے کا کام کرنے والا شخص ایک دن بازار سے گزر رہا تھا کہ اچانک خوشبو والوں کے بازار میں پہنچ گیا اور یہ عطر فروشوں کی دوکان کی خوشبو کو برداشت نہ کر سکا کیونکہ بدبودار ماحول میں رہتے رہتے بدبو ہی اس کی طبیعتِ ثانیہ بن چکی تھی، پس عطر کی خوشبو سے یہ شخص بے ہوش ہو کر سڑک پر گر پڑا، مخلوق کا ہجوم اکٹھا ہو گیا۔ کوئی وظیفہ پڑھ کر دم کر رہا ہے، کوئی اس پر گلاب کا پانی چھڑک رہا ہے، کوئی ہاتھ پاؤں کی ہتھیلی اور تلوؤں کی مالش کر رہا ہے، کوئی اعلیٰ قسم کے عطر سونگھا رہا ہے، لیکن ان تدابیر سے بجائے افاقہ ہونے کے بے ہوشی اور بڑھتی جا رہی تھی، اس کے بھائی کو جب یہ خبر ہوئی تو دوڑ کر آیا اور فوراً خوشبو سونگھ کر سمجھ گیا کہ یہ اسی خوشبو سے بے ہوش ہوا ہے، اس نے اعلان کیا کہ خبردار! اس پر نہ تو

گلاب کا عطر چھڑ کا جائے اور نہ کوئی اور خوشبو قریب لائی جائے، یہ فوراً وہاں سے غائب ہوا اور کتے کا پائخانہ آستین میں چھپا کر ہجوم کو چیرتا ہوا واپس بھائی کے پاس پہنچا اور اس کی ناک میں داخل کر دیا اور اس کی بدبو سے فوراً اسے ہوش آ گیا، مخلوق حیران رہ گئی کہ اس کے بھائی نے کون سا قیمتی عطر سونگھا دیا جو یہاں عطاریوں کے پاس بھی نہ مل سکا تھا۔

مذکورہ بالا واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی خلاف ورزی کرنے میں لذت حاصل ہوتی ہو اور اس کے برعکس شریعت کے احکام کی اتباع سے گھبراہٹ پیدا ہوتی ہو، اہل اللہ اور نیک لوگوں کی صحبت و مجلس میں دل گھبراتا ہو اس کی روح بھی گناہوں کی بدبو اور گندگیوں سے اس قدر مانوس ہو چکی ہے کہ جس طرح چمڑا رنگنے والا کا دماغ بدبو کے ساتھ مانوس ہو جاتا ہے۔ اور خوشبو سے اس پر بے ہوشی طاری ہوتی ہے۔

لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی روح اور نفس کی پاکیزگی کا فکر کریں، تا کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر، قرآن کریم کی تلاوت اور نیکی کی خوشبو کا مزہ پا سکیں۔
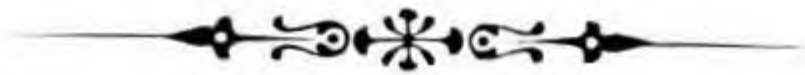
ایک شہزادے پر جادو کے اثر کا واقعہ

ایک بادشاہ کا ایک ہی لڑکا تھا، حسنِ صورت اور حسنِ سیرت دونوں ہی سے آراستہ تھا۔ بادشاہ نے اس لڑکے کی ایک حسین شہزادی سے شادی کرنا چاہی اور کسی زاہد و پرہیز گار صالح خاندان میں رشتہ طے کرنا شروع کیا۔ اس سلسلہ کی خبر شہزادہ کی ماں کو ہوئی تو اس نے بادشاہ سے کہا کہ آپ نیکی اور تقویٰ وزہد تو دیکھ رہے ہیں، لیکن آپ کے مقابلہ میں باعتبار عزت و مال کے وہ خاندان کمتر ہے۔

بادشاہ نے جواب دیا: دور ہو بے وقوف! جو شخص دین کا غم اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے تمام دنیاوی غموں کو دور کر دیتا ہے۔

یاد رکھ! آخرت کا غم موسیٰ علیہ السلام کے عصا کی طرح ہے، جو جادوگروں کے سانپ، بچھوؤں کو نگل گیا تھا، اسی طرح آخرت کا غم دنیا کے تمام غموں کو نگل جائے گا۔

بالآخر بادشاہ اپنی ملکہ پر اپنی رائے کو غالب رکھنے میں کامیاب ہو گیا اور شہزادہ کی شادی کر دی۔ طویل عرصہ تک انتظار کیا مگر اس شاہزادہ سے کوئی لڑکا نہ پیدا ہوا۔ بادشاہ کو فکر ہوئی کہ کیا بات ہے!! شاہزادے کی بیوی تو بہت خوبرو، حسین اور بے مثل ہے، لیکن اولاد کیوں نہیں ہوتی۔ اپنے مخصوص مشیروں کو اور علماء وصلحاء کو جمع کیا اور خفیہ طور

پر اس مسئلہ کے بارے میں ان سے مشورہ کیا، تحقیق سے معلوم ہوا کہ اس شہزادہ پر ایک بوڑھی کابلی عورت نے جادو کرادیا ہے جس سے یہ اپنی چاند جیسی حسین بیوی سے نفرت کرتا ہے اور اس بدصورت کالی کلوٹی عورت کے پاس جایا کرتا ہے اور اس کے عشق میں جادو کی وجہ سے ایک عرصہ سے اسیر ہے۔

بادشاہ کو اس اطلاع سے بے حد غم اور صدمہ ہوا اور اس نے بہت صدقہ وخیرات کیا، اور سجدہ میں بہت رویا، ابھی رونے سے فارغ نہ ہوا تھا کہ ایک مردِ غیبی نمودار ہوئے اور کہا کہ آپ میرے ساتھ ابھی قبرستان چلیں۔ بادشاہ ان کے ہمراہ قبرستان گیا، انہوں نے ایک پرانی قبر کھودی اور اس میں بادشاہ کو دکھایا کہ ایک بال دفن تھا، جس میں جادو کی سو گرہیں لگائی گئی تھیں، پھر اس مردِ غیبی نے ایک ایک گرہ کو کچھ دم کر کے کھولا اور ادھر وہ شہزادہ صحت یاب ہوتا گیا، حتیٰ کہ آخری گرہ کھلتے ہی شہزادہ اس خبیث بوڑھی کے عشق سے نجات پا گیا اور اس کی آنکھوں کی وہ نظر بندی جاتی رہی، جس سے حسین بیوی خراب، بری اور وہ بدصورت خبیث بوڑھی عورت خوبصورت معلوم ہوتی تھی۔

پھر جو اس بوڑھی کو شہزادہ نے جب دیکھا تو اس کو نفرت وسخت کراہت محسوس ہوئی اور اپنی عقل پر حیرت کر رہا تھا اور اپنی حسین بیوی کو جب اس نے دیکھا تو اس کے چاند سے حسین چہرہ کو دیکھ کر برداشت نہ کر سکا اور بے ہوش ہوگیا۔ کچھ آہستہ آہستہ ہوش آیا اور آہستہ آہستہ اس کے حسن کا تحمل بھی ہونے لگا۔

اس واقعہ کے بعد مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ بڑے جوشِ ایمان کے ساتھ نصیحت فرماتے ہیں: اے لوگو! آپ کی مثال شہزادے کی ہے اور دنیا کی مثال بوڑھی عورت کی

طرح ہے، اس نے عاشقانِ دنیا پر جادو کر رکھا ہے، جس سے وہ اس دنیا کی فانی رونقوں کے عشق میں مبتلا ہو کر آخرت اور اللہ اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے انوار و تجلیات سے اعراض کرتے ہیں۔ ورنہ دنیا کی حقیقت صرف اتنی ہے، جس کو حضرت مجذوب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بیان فرمایا ہے۔ ع

جہاں دراصل ویرانہ ہے گو صورت ہے بستی کی
بس اتنی سی حقیقت ہے فریبِ خوابِ ہستی کی
کہ آنکھیں بند ہوں اور آدمی افسانہ بن جائے
رنگ رلیوں پہ زمانے کی نہ جانا اے دل!
یہ خزاں ہے جو باندازِ بہار آئی ہے

(مجذوب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

مذکورہ بالا واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ دنیا نے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر حیثیت نہیں رکھتی ہمارے اوپر جادو کر رکھا ہے، اگر اللہ والوں کی صحبت و مصیبت کی برکت اس جادو کو توڑ ڈالیں تب ہمیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور جنت کی ہمیشہ ہمیشہ رہنے والی نعمتوں کی خوبصورتی کا احساس ہو۔

حضرت سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے اخلاص کا واقعہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اخلاص کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک بار آپ نے ایک کافر کو مقابلہ کے وقت زیر کرلیا اور اس کے سینہ پر بیٹھ گئے اور اس کافر کو قتل کرنے کے لئے اپنی تلوار نکالی کہ اچانک اس کافر نے آپ کے چہرۂ مبارک پر تھوک دیا۔ اس کافر کی اس گستاخی کے سبب آپ کے نفس کو ناگواری ہوئی، اور آپ نے تلوار کو میان میں رکھا اور اس کے سینہ سے علیحدہ ہو گئے اور اس کے قتل سے ہاتھ روک لیا۔

اس کافر نے کہا اے امیر المؤمنین! یہ کیا بات ہے میری تھوکنے والی گستاخی کے بعد تو آپ کو فوراً مجھے قتل کرنا چاہئے تھا اور آپ مجھ پر ہر طرح غالب تھے، وہ کون سی بات تھی جو آپ کو قتل سے مانع ہوئی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ میں تجھ کو اے کافر! صرف اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے قتل کرنے کا ارادہ کررہا تھا، کہ تو نے میرے چہرے پر تھوک کر میرے نفس کو غضب ناک کردیا، اب اگر میں تجھے قتل کرتا تو یہ فعل میرے نفس کے غضب اور غصہ سے ہوتا اور اخلاص سے نہ ہوتا اور اللہ تعالیٰ اخلاص کے بغیر کسی عمل کو قبول نہیں فرماتے۔ پس تیرا قتل کرنا مجھے اسلام کے خلاف معلوم ہوا۔ اس لئے میں اس فعل سے باز رہا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس بات کو سن کر وہ کافر محوِ حیرت رہ گیا اور اس کے دل میں ایمان کی شمع روشن ہوگئی اور اس نے کہا کہ اے امیر المومنین! میں ایسے دین کو قبول کرنا اپنی سعادت سمجھتا ہوں، جس میں اخلاص کی ایسی تعلیم دی جاتی ہے اور بے شک یہ دین سچا ہے۔

احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ اس واقعہ سے اعمال میں اخلاص کا بہت بڑا سبق ملتا ہے، جو کام کرے، نیت درست کرے اگر اخلاص ہو تو دنیا بھی دین بن جاتی ہے، مثلاً ایک شخص کسب حلال کے لئے ''امرود لے لو امرود لے لو'' کہتا ہے اور نیت ہے اس سے بال بچوں کے لئے اللہ و رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق حلال روزی کماؤں گا، ہر مرتبہ ''امرود لے لو'' کہنے پر اس کے لیے ثواب لکھا جائے گا اور اگر سبحان اللہ، سبحان اللہ کہہ رہا ہے اور نیت یہ ہے کہ اس سے لوگ مجھے بزرگ اور نیک سمجھ کر اپنا مال حوالے کریں گے اور دنیا ملے گی تو اس کا سبحان اللہ بھی دنیا ہے دین نہیں۔ لہٰذا اخلاص بہت ضروری ہے ورنہ سب کیا دھرا اکارت اور ضائع ہونے کا خطرہ ہے۔
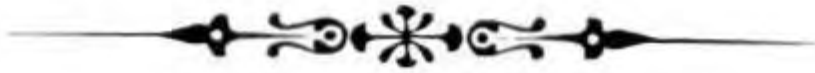
پنجرے میں قید طوطے کی رہائی کا واقعہ

ایک تاجر کے پاس ایک طوطا تھا، جو خوش آواز اور بہت خوبصورت تھا، ایک مرتبہ تاجر نے ہندوستان کی طرف اپنے سفر کا آغاز کیا اور شفقت کے طور پر اپنے غلاموں اور کنیزوں سے دریافت کیا کہ تمہارے لیے ہندوستان سے کیا چیز لائیں؟

اسی طرح طوطے سے دریافت کیا کہ ہندوستان کی سرزمین سے تمہارے لیے کیا لائیں اور تمہارا پیغام کیا ہے؟

طوطے نے کہا کہ ہندوستان میں جب کسی باغ و سبزہ زار سے گزرنا اور طوطوں کا کوئی گروہ نظر آئے تو میرا سلام کہنا اور یہ پیغام دے دینا کہ کیا تم لوگوں کے لیے یہ بات مناسب ہے کہ میں تمہارے لیے تڑپتا رہوں اور تمہاری ملاقات کے شوق میں اسی طرح تڑپ تڑپ کر جاں بحق ہو جاؤں۔

اور یہ بھی کہنا کہ یہ کب تمہارے لئے مناسب ہے کہ میں سخت قید میں رہوں اور تم سب باغوں میں آزاد رہو۔ دوستوں کی یاد دوستوں کے لیے نہایت مبارک ہوتی ہے۔

تاجر نے اپنے پنجرے میں بند طوطے کی طرف سے جب ہندوستان کے

طوطوں کے ایک گروہ کو یہ پیغامات سنائے تو طوطوں نے بھی اپنا سلام اس کو پیش کیا، مگر ایک طوطے نے اس چمن میں جب یہ پیغام سنا تو اس کے جسم میں لرزہ طاری ہوگیا اور شاخ سے کانپتا ہوا زمین پر گر گیا اور بالکل مردہ سا ہوگیا۔

تاجر اس پیغام رسانی سے پریشان ہوا کہ خواہ مخواہ اس غریب کی جان گئی، نہ کہتا تو اچھا تھا۔

جب تاجر تجارت سے فارغ ہوکر اپنے گھر واپس آیا تو اپنے غلاموں اور کنیزوں کو انعامات تقسیم کیے۔ طوطے نے اس سے کہا کہ ہندوستان کے جنگلات کے طوطوں نے مجھے کیا پیغام بھیجا ہے؟ جو کچھ سنا ہو یا دیکھا ہو مجھے بتاؤ۔

تاجر نے بتایا کہ ان طوطوں میں سے ایک طوطے پر تیرے پیغام کا بہت شدید اثر ہوا حتیٰ کہ غم کی تاب نہ لاسکنے سے اس کا پتہ پھٹ گیا اور وہ کانپتا ہوا مر گیا۔

جب اس طوطے نے اس طوطے کا یہ فعل سنا کہ اس نے کیا کیا، یہ بھی اسی طرح کانپتا ہوا گر گیا اور ٹھنڈا ہوگیا۔

تاجر یہ ماجرا دیکھ کر رونے لگا کہ ہائے یہ کیا ہوا............!!

تاجر نے کہا ہائے افسوس! اے خوش آواز پرندے! ہائے افسوس میرے ساتھی اور میرے ہمراز!!

اس کے بعد جب تاجر نے سمجھ لیا کہ میرا طوطا صدمہ سے مر گیا ہے، پنجرے سے نکال کر باہر ڈال دیا تو وہ طوطا فوراً اڑ کر اونچی شاخ پر جا بیٹھا۔ تاجر نے اوپر مُنہ کیا اور پُوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے کچھ مجھ سے بھی تو بیان کر؟

طوطے نے جواب دیا کہ اس طوطے نے مجھے اپنے عمل سے خود کو مردہ بنا کر یہ

سبق دیا تھا کہ تیری آزادی اور رہائی کی یہی صورت ہے کہ تو مردہ ہو جا۔ اس کے بعد طوطے نے سلام کیا اور تاجر سے الوداع ہوا۔

چنانچہ رخصت ہوتے ہوئے طوطے نے کہا: اے میرے سردار! میں نے اپنے وطن یعنی باغات کا رخ کیا، اب تجھ سے رُخصت ہوتا ہوں اور اللہ کرے تو بھی میری طرح نفس کی زنجیر اور قید و بند سے آزاد ہو جائے تا کہ تو بھی قربِ الٰہی کے باغ میں سیر کرے۔

تاجر نے کہا: فی امان اللہ! اے طوطے! اپنے وطن چلے جاؤ، مگر تو نے مُجھے بھی آزادی کی راہِ نو دکھادی۔

تاجر نے دل میں سوچا کہ میری جان کیا طوطے سے بھی کمتر ہے کہ دنیا کے قید خانے اور خواہشاتِ نفس کی غلامی کی زنجیر میں گرفتار رہے اور اللہ تعالیٰ کے باغِ قرب کی سیر سے محروم، پس جان تو ایسی ہی ہونی چاہیے جو اپنے اصل چمن کی طرف اڑ جائے اور قید سے رہا ہو جائے۔

مذکورہ بالا واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اس واقعہ سے یہ نصیحت فرماتے ہیں کہ پنجرے سے اس طوطے کو رہائی خوش آوازی، بُلند آوازی اور انانیت سے نہیں ملی، بلکہ اپنے کو مٹانے اور فنا کرنے سے ملی، لہٰذا اسی طرح جو اللہ تعالیٰ کی محبت اور جنت کا طلبگار اپنی روح کے پرندے کو نفس و شیطان کے قفس (پنجرے) سے آزاد کرانا چاہے، اس کو چاہیے کہ فنا ہونا سیکھے اور تکبر اور خود پسندی چھوڑ کر عاجزی اور انکساری اختیار کرے۔ مٹنے اور عاجزی و انکساری کا طریقہ اس اللہ والے سے سیکھے جو خود اپنے کو اللہ تعالیٰ کی عظمت کے سامنے مٹا

چکا ہو۔ کیونکہ جو خود نفس و شیطان کا قیدی ہو وہ دوسرے قیدی کو رہا نہیں کرا سکتا اور اللہ والے نفس کے قید و بند سے آزاد ہو گئے ہیں۔ انہیں کی صحبت سے دوسرے قیدی رہائی پا سکتے ہیں۔ اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جنت کی سیر کے لیے جہنم سے رہائی پا سکتے ہیں۔

روم اور چین کے باشندوں میں مقابلے کا واقعہ

ایک دفعہ روم اور چین کے باشندوں کے درمیان کسی بات پر بحث چھڑ گئی۔ چینیوں نے کہا کہ تعمیرات میں نقش و نگار کے ہم ماہر ہیں۔ رومیوں نے کہا کہ ہم زیادہ شان و شوکت والا خوبصورت نقش بناتے ہیں، سُلطانِ وقت نے بحث سمیٹتے ہوئے کہا۔ اچھا ہم تم دونوں کا امتحان لیتے ہیں۔

بادشاہ کے پاس اہلِ چین اور اہلِ روم حاضر ہوئے اور چین کے باشندے اہل روم سے زیادہ اپنے فن میں ماہر تھے۔

اہلِ چین نے بادشاہ سے کہا کہ ہم کو ایک گھر نقش و نگار بنانے کے لئے دے دیا جائے اور اس کو پردوں سے مخفی کر دیا جائے تا کہ اہلِ روم دیکھ کر ہماری نقل نہ کر سکیں ان شرائط پر انہوں نے پردے کے اندر رہتے ہوئے دیواروں پر نقاشی کا بہترین اور بے نظیر کام کر دکھایا۔

اہلِ روم نے کہا کہ ہم ٹھیک اسی منقش گھر کے سامنے جو اہلِ چین بنا رہے ہیں۔ دوسرا گھر نقش ونگار والا تیار کرتے ہیں تا کہ آپ اس تقابل سے فیصلہ کرسکیں کہ کون سا بہتر ہے۔ اہلِ روم نے بھی پردہ کے اندر چھپ کر کام شروع کیا مگر انہوں نے کوئی نقش نہ بنایا بس دیوار کو خوب صیقل اور صفائی کرتے رہے یہاں تک کہ پورا گھر آئینہ کی طرح چمکنے لگا۔ امتحان اور مقابلہ کے وقت جب درمیان سے پردہ ہٹایا گیا تو اہلِ چین کے تمام نقش ونگار کا عکس رومیوں کے بنائے ہوئے گھر پر اس طرح پڑا کہ وہ زیادہ خوبصورت معلوم ہورہا تھا۔

بادشاہ آیا اور اس نے ان نقوش کو دیکھا جو اہلِ چین نے بنائے تھے، ایسے خوبصورت نقوش تھے جو عقل وفہم کو اڑا رہے تھے۔

اس کے بعد بادشاہ نے رومیوں کے تعمیر کردہ نقش ونگار کو دیکھا تو محوِ حیرت ہوگیا۔

بادشاہ نے چینیوں کے ہاں جو کچھ دیکھا تھا یہاں اس سے بہتر نظر آیا حتیٰ کہ نقش ونگار کے حسن سے اور اس کی کشش سے آنکھیں بھی باہر کو نکل رہی تھیں۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے رومیوں کی مثال سے صوفیوں کا مقام بیان فرمایا ہے کہ یہ حضرات بھی دل کی صفائی کا زیادہ اہتمام کرتے ہیں اور اسی کی برکت سے بغیر کتاب اور بغیر ہُنر کے اخلاقِ حمیدہ سے منقش ہوجاتے ہیں۔

مذکورہ بالا واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہم اپنے دل کو بُرے عقائد، بُرے اخلاق اور برے خیالات سے جتنا پاک اور صاف کریں گے اور اپنے دل کو اللہ تعالیٰ کے ذکر

سے چمکائیں گے تو یہ دل ایسا صاف اور شفاف ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کے انوار اور تجلیات کا عکس جب آئینہ کی طرح صاف دل پر پڑے گا تو پھر کوئی بھی اس کا مقابلہ نہ کر سکے گا۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور معرفت سے چمکنے والا دل تمام مخلوق کو ورطۂ حیرت میں ڈال دے گا۔

حضرت نصوح رحمۃ اللہ علیہ کی سچّی توبہ کا واقعہ

پہلے زمانے میں ایک شخص تھا جن کا نام نصوح تھا، تھا مرد مگر شکل اور آواز بالکل عورتوں کی سی تھی اور شاہی محلات میں بیگمات اور بادشاہ کی شہزادیوں کو نہلانے اور میل نکالنے کی خدمت پر مامور تھا اور عورت کے لباس میں یہ شخص ملازمہ اور خادمہ بنا ہوا تھا۔ چونکہ یہ مرد شہوتِ کاملہ رکھتا تھا، اس لئے شاہی خاندان کی عورتوں کی مالش سے نفسانی لذّت بھی خوب پاتا اور جب بھی توبہ کرتا اس کا نفس ظالم اس کی توبہ کو توڑ دیتا۔

ایک دن اس نے سُنا کہ کوئی بڑے عارف بُزرگ تشریف لائے ہیں۔ یہ بھی حاضر ہوا اور عرض کیا کہ: یہ گنہگار عارف کے سامنے آیا ہے آپ سے عرض ہے کہ ہم کو دُعا میں یاد رکھئے چنانچہ انہوں نے نصوح کے لیے دعا کی۔

ان بُزرگ کی دعا سات آسمانوں سے اوپر اٹھالی گئی اور اس عاجز مسکین کا کام بن گیا۔

اس خُدائے ذوالجلال نے اپنی خاص قدرت سے ایک سبب اس کے گناہ سے خلاصی کا پیدا فرمایا۔ وہ سبب غیب سے یہ ظاہر ہوا کہ محل کے زنان خانہ سے ایک انتہائی قیمتی ہیرا گم ہوگیا، نصوح اور اس کے ساتھ تمام نوکرانیوں کی تلاشی کی ضرورت واقع ہوئی زنان خانہ کے دروازے بند کر کے تلاشی شروع ہوئی۔ جب کسی کے سامان میں وہ موتی نہ ملا۔ تو محل میں اعلان کر دیا گیا کہ سب خادمات کپڑے اتار کر ننگی ہو جائیں، خواہ وہ جوان ہوں یا بوڑھی ہوں۔

اس آواز سے نصوح پر لرزہ طاری ہوگیا کیونکہ یہ دراصل مرد تھا مگر عورت کے بھیس میں ایک عرصے سے خادمہ بنا ہوا تھا، اس نے سوچا کہ آج میں رسوا ہو جاؤں گا اور بادشاہ غیرت کے سبب اپنی عزّت وناموس کا مجھ سے انتقام لے گا اور مُجھے قتل سے کم سزا نہیں ہو سکتی اس لیے کہ جُرم نہایت سنگین ہے۔

یہ نصوح خوف سے لرزتا ہوا خلوت میں گیا۔ ہیبت سے چہرہ زرد اور ہونٹ نیلے ہو رہے تھے۔

نصوح چونکہ موت کو اپنے سامنے دیکھ رہا تھا لہٰذا خوف کے مارے پتے کی طرح لرزہ براندام ہو رہا تھا۔ اسی حالت میں یہ سجدہ میں گر گیا اور رو رو کر دعا کرنے لگا:

اے میرے رب! بہت دفعہ میں نے غلط راستہ اختیار کیا، توبہ اور عہد کو بار ہا توڑ دیا۔

اے میرے اللہ! اب میرے ساتھ وہ معاملہ کیجیے جو آپ کے لائق ہے کیونکہ میرے ہر سوراخ سے میرا سانپ مجھے ڈس رہا ہے۔

اگر ہیرے کی تلاشی کی نوبت خادمات سے گذر کر مُجھ تک پہنچی تو اُف میری

جان کس قدر سختی اور بلا کا عذاب چکھے گی۔

اگر آپ اس مرتبہ میری پردہ پوشی فرمادیں تو میں نے توبہ کی ہر نالائق کام سے

نصوح یہ مناجات کرتے کرتے عرض کرنے لگا:

اے رب! میرے جگر میں غم کے سینکڑوں شعلے بھڑک رہے ہیں اور آپ میری مناجات میں میرے جگر کا خون دیکھ لیں کہ میں کس طرح بیکسی کی حالت اور درد سے فریاد کررہا ہوں۔

نصوح اپنے رب سے گریہ وزاری کرہی رہا تھا کہ محل میں صدا بلند ہوئی کہ سب کی تلاشی ہوچکی اب اے نصوح! تو سامنے آ اور عریاں ہوجا۔ یہ سُننا تھا کہ نصوح اس خوف سے کہ ننگے ہونے سے میرا پردہ فاش ہوگا، بے ہوش ہوگیا اور اس کی روح عالم بالا کی سیر میں مشغول ہوگئی۔

اللہ تعالیٰ کے بحرِ رحمت کو اس وقت جوش آیا اور حق تعالیٰ کی قدرت سے نصوح کی پردہ پوشی کے لیے بلا تاخیر فوراً ہیرا مل گیا۔ اچانک آواز آئی کہ وہ گمشدہ ہیرا مل گیا ہے۔

اب بے ہوش نصوح بھی ہوش میں آ گیا تھا اور اس کی آنکھیں سینکڑوں دنوں کی روشنی سے زیادہ روشن تھیں کیونکہ عالمِ بے ہوشی میں نصوح کی روح کو حق تعالیٰ کی رحمت نے اپنی تجلّیاتِ قرب کا مشاہدہ کرادیا تھا جس کے انوار اس کی آنکھوں میں ہوش میں آنے کے بعد بھی تاباں تھے۔

شاہی خاندان کی عورتیں نصوح سے معذرت کرنے لگیں اور عاجزی سے کہا کہ ہماری بدگمانی کو مُعاف کردو! ہم نے تم کو بہت تکلیف دی۔

نصوح نے کہا کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا مجھ پر فضل ہوگیا اے مہربانو! ورنہ جو کچھ میرے بارے میں کہا گیا ہے،ہم اس سے بھی بُرے اور خراب ہیں۔

اس کے بعد سُلطان کی ایک بیٹی نے اس کو مالش اور نہلانے کو کہا مگر نصوح چونکہ اللہ والا ہو چکا تھا اور بے ہوشی میں اس کی روح اللہ تعالیٰ کے قرب کے خاص مقام پر فائز ہو چکی تھی، اتنے قوی تعلق مع اللہ اور یقین کی نعمت کے بعد گناہ کے ظلم کی طرف کس طرح رخ کرتا، کیونکہ روشنی کے بعد اندھیرے سے بہت ہی نفرت محسوس ہونا فطری امر ہے۔ نصوح نے شہزادی سے کہا:

اے شہزادی! میرے ہاتھ کی طاقت اب ختم ہو چکی ہے اور تمہارا نصوح اب بیمار ہوگیا ہے: لہٰذا اب مالش کی ہمت نہیں ہے، چنانچہ اس بہانے سے اس نے اپنے کو گناہ سے بچالیا۔

نصوح نے اپنے دل میں سوچا کہ میرا جُرم حد سے گزر گیا اب میرے دل سے وہ خوف اور غم کیسے نکل سکتا ہے۔

نصوح نے کہا میں نے اپنے مولیٰ سے حقیقی توبہ کی ہے، مَیں اب اس توبہ کو ہرگز نہ توڑوں گا خواہ میرے تن سے میری جان بھی جُدا ہو جائے۔

مذکورہ بالا واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

اس واقعہ سے ہمیں کئی سبق حاصل ہوتے ہیں۔

❶ اپنی گندی حالت سے کبھی نا امید نہ ہونا چاہیئے ۔حق تعالیٰ کی رحمت ہر حالت کی اصلاح پر قادر ہے۔

❷ اللہ والوں سے دعا کی درخواست بھی اپنی اصلاح کے لئے کرنی چاہیئے جیسا

کہ نصوح نے درخواست کی اور بامُراد ہوا۔

۳ حالتِ اضطرار میں اللہ تعالیٰ سے جس طرح نصوح نے رجوع کیا ان کے اُس دردناک مضمون سے اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی وانکساری اور گریہ وزاری کا سلیقہ حاصل ہوتا ہے۔

۴ نصوح کی طویل عمر گناہوں میں گزری تھی اور کس قدر خطرناک حالت تھی، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لیے غیب سے راستہ پیدا کیا اور توبۂ صادقہ کی توفیق بخشی اور حضرت نصوح رحمۃ اللہ علیہ سے جس انداز سے توبہ کا مضمون ذکر کیا ہے کہ خواہ جان جسم سے جُدا ہو جائے مگر میں اپنی توبہ اور عہد کو نہ توڑوں گا یہ ان کے اونچے رتبے اور بڑے حوصلے کی واضح دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسی ہی توبۂ نصوح کی توفیق عطا فرمائیں۔

ایک بددین کا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مکالمہ

ایک دن ایک منکر بددین نے حضرتِ علی رضی اللہ عنہ سے بحث ومباحثہ شروع کردیا آپ بالاخانہ پر تشریف فرما تھے۔ یہودی نے نیچے سے کہا: اے علی مرتضیٰ! (رضی اللہ عنہ) کیا اللہ تعالیٰ کی حفاظت پر آپ کو اعتماد ہے، آپ نے فرمایا: بے شک وہی ہمارا

حفیظ ہے۔

یہودی نے کہا: اے علی! (رضی اللہ عنہ) آپ اپنے کو بالا خانے سے نیچے گرا دیجیے اور حق تعالیٰ کی حفاظت پر اعتماد کیجیے۔ تاکہ آپ کا اعلیٰ یقین میرے لیے یقین حاصل ہونے کا ذریعہ بن جائے۔ اور آپ کی یہ عملی دلیل میرے حُسن اعتقاد کا سبب بن جائے۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

بندہ کو یہ حق کب پہنچتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آزمائش اور امتحان کی جرأت کرے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ ہی کو حق پہنچتا ہے کہ وہ ہر وقت بندوں کا امتحان کرتا رہے۔

اگر پہاڑ کے دامن میں ایک ذرہ پہاڑ کی بلندی کو دیکھ کر کہے کہ اچھا میں تجھے تولوں گا کہ تو کس قدر طول وعرض اور وزن والا ہے۔ تو اس بے وقوف کو ذرا کو سوچنا چاہیئے کہ جب اپنے ترازو پر پہاڑ کو تولنے کے لیے رکھے گا تو اس کے وزن سے ترازو ہی پھٹ جائے گا، اس وقت نہ یہ ذرہ باقی ہوگا نہ اس کا ترازو سلامت رہے گا تو وزن کا خیال محض احمقانہ خیال ہے۔

مذکورہ بالا واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اسی طرح نادان لوگ اپنے قیاس کے ترازو پر ناز کرتے ہیں اور اللہ والوں کو اپنے احمقانہ خیالی ترازو میں تولنے کی کوشش کرتے ہیں۔

جب اللہ والوں کا بُلند مقام ان بے وقوفوں کے ترازو میں نہیں سماتا تو اللہ تعالیٰ اس گستاخی کی نحوست اور شامت کے سبب ان کے ترازو ہی کو ریزہ ریزہ کر دیتا ہے اور

یہ شخص مزید سے مزید حماقت میں مبتلا ہو جاتے ہیں، چنانچہ مشاہدہ ہے کہ جو لوگ اللہ والوں کی شان میں گستاخیاں اور اعتراضات کیا کرتے ہیں۔ان کی عقل سے سلامتی روز بروز گھٹتی چلی جاتی ہے اور عملی حالت روز بروز تباہ ہوتی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو محفوظ رکھیں۔

حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شیطان سے گفتگو

ایک دفعہ حضرت امیر معاویہ رضی تعالیٰ عنہ اپنے گھر پر آرام فرما رہے تھے کہ تہجد کے وقت اچانک ایک شخص نے آپ کو بیدار کر دیا، جب آپ نے بیدار ہو کر دیکھا تو وہ شخص چھپ گیا۔آپ نے دل میں سوچا کہ میرے گھر کے اندر اس وقت تو کوئی آ نہیں سکتا۔ایسی جرأت کس نے کی ہے۔

پھر آپ نے دیکھا کہ ایک شخص دروازہ کی آڑ میں اپنا منہ چھپائے ہوئے کھڑا ہے۔آپ نے دریافت کیا تو کون ہے؟

اس نے جواب دیا کہ میرا نام ابلیس شقی ہے۔

آپ نے فرمایا: اے ابلیس! تو نے مجھے کیوں بیدار کیا ہے، سچ سچ بتا کیا وجہ

ہے؟!

اس نے کہا چونکہ نماز کا وقت ختم ہونے کے قریب تھا اس لیے جگایا لہٰذا اب آپ کو مسجد کی طرف جلد دوڑنا چاہیے۔

آپ نے فرمایا یہ ہرگز تیری غرض نہیں ہوسکتی کہ تو خیر کی طرف کبھی رہنمائی کرے، میرے گھر میں تو چور کی طرح گھس آیا اور کہتا ہے کہ میں پاسبانی کرتا ہوں اور خاص کر تجھ جیسا شخص جو راہزن بھی ہے جلدی بتلا! کس وجہ سے مجھ پر تجھے اس قدر شفقت ہوئی ہے؟

ابلیس نے جواب دیا کہ میں پہلے فرشتہ تھا اور اطاعت کے راستے کو اپنی جان سے طے کیا ہے۔ پہلا پیشہ دل سے کہیں بالکل نکل سکتا ہے اور پہلی محبت بھلا دل سے زائل ہوسکتی ہے۔ میں نیکوں کو راستہ نیکی کا دکھاتا ہوں اور بُروں کو بُرے راستے کی پیشوائی کرتا ہوں۔ اگر آپ کو دین کے لیے میں نے بیدار کردیا تو کوئی بات نہیں یہی ہماری اصل فطرت کا تقاضا ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اے راہزن! (ڈاکو) مجھ سے بحث مت کر، تجھے میرے اندر گمراہ کرنے کا راستہ نہ مل سکے گا، میرے اندر گمراہی کا راستہ مت ڈھونڈ۔ سچ سچ بتا کہ تو نے مجھے نماز کے لیے کیوں بیدار کیا؟ تیرا کام تو گمراہ کرنا ہے۔ اس خیر کی دعوت میں کیا راز چھپا ہوا ہے جلدی جلدی بتا!

اب مجبور ہو کر اصل راز بتلاتے ہوئے ابلیس نے کہا: حضور! بات یہ ہے کہ اگر آپ کی نماز فوت ہوجاتی تو آپ اللہ تعالیٰ کی جناب میں دردِ دل سے آہ وفغاں کرتے۔ آپ کے اس افسوس اور ندامت و عاجزی کے ساتھ رونے سے آپ کو اللہ تعالیٰ کا وہ

قرب حاصل ہوتا جو دو سو رکعت نفل سے بھی حاصل نہ ہوتا۔ جس سے آپ کا درجہ بہت بلند ہو جاتا اور میں حسد سے جل کر خاک ہوتا۔ اس لیے میں نے سوچا کہ آپ کو بیدار کر دوں تا کہ آپ نماز ادا کر لیں اور آپ کو اللہ تعالیٰ کا اتنا بڑا قرب حاصل نہ ہو جائے۔

میں نے اسی خوف سے آپ کو بیدار کر دیا تا کہ آپ کی دردِ دل سے نکلی آہ و فغاں کی وجہ سے حسد کے مارے جل نہ جاؤں۔ میں انسان سے حسد کرتا ہوں، میں نے اسی وجہ سے ایسا کیا ہے چونکہ میں انسان کا دشمن ہوں، میرا کام حسد اور کینہ ہے۔ چنانچہ میں نے دشمنی کی وجہ سے یہ کیا ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اب تو نے سچی بات کہی ہے اور حسد و دشمنی جو کچھ تو نے کی ہے تو اسی کے لائق ہے اور تیرا یہی اصل کام ہے۔

مذکورہ بالا واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

اس واقعہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ کوتاہیوں اور خطاؤں پر ندامت اور گریہ وزاری سے شیطان کو کتنا غم ہوتا ہے اور حق تعالیٰ کی رحمت کس قدر ایسے بندہ پر متوجہ ہوتی ہے۔ کہ بندہ اپنے عمل کے ذریعے وہ درجہ حاصل نہیں کر پاتا جو ندامت اور شرمندگی کے باعث اس کو حاصل ہو جاتا ہے، حق تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائیں کہ ندامت کے ساتھ حق تعالیٰ کے حضور میں گریہ وزاری کیا کریں۔

اس واقعہ سے ہمیں یہ بھی سبق ملتا ہے کہ کوتاہیوں اور غلطیوں پر شرمندگی سے جب قربِ الٰہی کا یہ حال ہے۔ اگر بندہ اپنے اعمال اور عبادات کی انجام دہی میں بھی شرمندگی وار بندگی کے آنسو شامل کر لے جیسا کہ اللہ والوں کی شان ہوتی ہے کہ عمل کے بعد بھی اتراتے نہیں ہیں بلکہ پہلے سے زیادہ عجز و انکسار کا اظہار کرتے ہیں۔ تو پھر جو

درجات اور اللہ تعالیٰ کا بے حد وحساب قرب حاصل ہوگا اس کا کیا ٹھکانہ ہوگا!!

ایک ملّاح اور نحوی کا واقعہ

ایک نحوی (علم النحو کے ماہر) دریا عبور کرنے کے لیے کشتی پر سوار ہوئے سلسلۂ گفتگو چلا تو ملّاح نے دریافت کیا کہ حضور آپ کس فن کے ماہر ہیں؟ فرمایا کہ میں فنِ نحو کا امام ہوں اور ساتھ ہی ملّاح کو نیچا دکھانے کے لیے کہا کہ افسوس! تو نے اپنی زندگی کشتی چلانے میں گنوادی۔ نحو جیسا فن نہ سیکھا۔

ملّاح بے چارہ شرمندہ ہوکر خاموش ہوگیا۔ قضائے الٰہی سے کشتی دریا کے عین درمیان طوفان میں پھنس گئی۔ ملّاح نے اس وقت نحوی سے کہا کہ حضور! اب اپنے فن سے کچھ کام لیجیے! کشتی غرق ہوا چاہتی ہے۔

حضور خاموش رہے کہ اس وقت نحو کیا کام دیتی، اس وقت تو تیراکی کے علم کی ضرورت تھی جو اس نے حاصل ہی نہ کیا تھا۔

پھر ملّاح نے کہا کہ اس وقت نحو کا کام نہیں، محو کا کام ہے، محض نحوی بننے سے کام نہیں چلتا، محوی بننے کی ضرورت ہے۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اسی طرح حق تعالیٰ کے راستہ میں محویت

(اللہ کے لیے مٹ جانا) کام دیتی ہے۔ محض قیل وقال سے کام نہیں چلتا بلکہ بعض اوقات اس قیل وقال سے ناز وغرور پیدا ہوجاتا ہے جو اہل اللہ سے تعلق پیدا کرنے میں عار کا سبب ہوجاتا ہے۔ حق تعالیٰ ایسی محرومی سے محفوظ فرمائیں۔ اور ہم کو فنائیت کاملہ عطا فرمائیں۔

مذکورہ بالا واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

اس واقعہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ آدمی کو اپنے کسی علم وفن پر غرور نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ مغرور آدمی کو اُس نَحْوی کی طرح بسا وقت بہت جلد شرمندگی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔

ایک فلسفی کا قرآن پاک کی ایک آیت کا انکار کرنا

اک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک قاری صاحب نے قرآن پاک سے سورہ ملک کی آیت

﴿اِنْ أَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا﴾

جس کا مطلب یہ ہے ''اگر تمہارے چشموں کے پانی گہرائی میں چلے جائیں تو کون قدرت رکھتا ہے کہ وہ اس پانی کو اوپر لاسکے۔ یہ میری ہی قدرت ہے میں پانی کو زمین کی گہرائی میں چھپا دیتا ہوں اور چشموں کو خشک کردیتا ہوں جس سے پانی کا قحط

ہو جاتا ہے۔ پھر میرے سوا کون ہے جو دوبارہ پانی چشموں میں لا سکتا ہے''۔

اس آیت کو سن کر ایک فلسفی منطقی نے از راہِ تکبّر کہا کہ میں لا سکتا ہوں۔

یہ شخص رات کو جب سویا۔ تو اس نے خواب ہی میں ایک بڑے پہلوان شخص کو دیکھا کہ اس نے ایک طمانچہ اس کو مارا جس سے دونوں آنکھیں اس کی اندھی ہو گئیں اور اس کڑیل جوان نے خواب ہی میں کہا:

''اے بدبخت! اگر تو اپنے قول میں سچا ہے تو اپنی آنکھ کے دونوں چشموں سے اس نُور کو واپس لا کر دکھا''۔

جب خواب سے اٹھا تو اس نے اپنی دونوں آنکھوں کو بے نور پایا چنانچہ یہ شخص اندھا ہو چکا تھا۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر یہ بدبخت فلسفی نالہ کرتا اور استغفار میں مشغول ہو جاتا تو حق تعالیٰ کی رحمت و مہربانی سے اس کو دوبارہ آنکھوں کی روشنی عطا ہو جاتی۔ لیکن استغفار اور رتوبہ کی توفیق اپنے ہاتھ میں نہیں ہے۔

مذکورہ بالا واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں میں شبہ کرنا یا بے ادبی کرنا بسا اوقات دنیاوی عذاب کا باعث بھی ہو جاتا ہے۔ لہٰذا بہت ڈرنے کا مقام ہے۔

نیز توبہ کر لینے کے سہارے پر کبھی گناہ کا ارتکاب نہ کرنا چاہیے کہ توبہ کی توفیق اپنے ہاتھ میں نہیں ہے ممکن ہے کہ اس جرأت اور گستاخی کے وبال سے توبہ کی توفیق سلب ہو جائے اور ہمیشہ کے لیے مردود ہو جائے۔

توبہ کی مثال مرہم کی سی ہے اب اگر کوئی کہے کہ یہ مرہم جلے ہوئے زخم کو نہایت مفید ہے، تو کیا اس مرہم کے سہارے پر کوئی اپنے ہاتھ کو آگ میں ڈالتا ہے۔ یہ مرہم تو اتفاقی حوادث کے لیے ہوتا ہے نہ کہ اپنے ہاتھوں کو خود ہی جلا جلا کر اس مرہم کے فوائد کو آزمایا جاتا ہے۔ اسی طرح گناہوں کی تاریکی اور آگ جو دل کو نقصان پہنچاتی ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی دوری اور ناراضگی کا وبال آجاتا ہے، توبہ ان نقصانات کی تلافی کرتی ہے۔ توبہ گناہوں کی آگ کے زخم کا مرہم ہے لیکن اس کا مطلب یہ لینا کہ قصداً آگ سے اپنے کو جلایا جائے اور اس مرہم کو آزمایا جائے انتہائی بیوقوفی ہوگی اور بڑا شیطانی دھوکہ ہے۔

حکیم جالینوس کا واقعہ

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حکیم جالینوس نے اپنے دوستوں سے کہا کہ دواخانہ سے مجھے فلاں نام کی دوا لا دو۔ دوستوں نے کہا کہ یہ دوا تو آپ پاگلوں کو کھلایا کرتے ہیں۔ آپ کو کیا ہوگیا کہ جنون کی دوا طلب کر رہے ہیں۔

جالینوس نے کہا: میری طرف ایک دیوانہ دیکھ رہا تھا۔ اور ایک گھنٹہ تک وہ پاگل مجھے دیکھ کر خوش ہوتا رہا اور پھر آنکھ سے اشارہ بازی کی اور اس نے اپنی آستین کو پھاڑ ڈالا۔ اگر وہ میرا ہم جنس نہ ہوتا یعنی میرے اندر بھی جنون کا مادہ اگر نہ ہوتا تو کب وہ

بدصورت میری طرف اس طرح سے رُخ کرتا۔

جالینوس نے مثال دیتے ہوئے کہا کہ دیکھو! چڑیا جب بھی اڑتی ہے تو اپنی ہم جنس چڑیوں میں جاتی ہے۔ کسی اور طرف رخ نہیں کرتی۔ کیونکہ کسی بھی جنس کو اپنی ہم جنس کی طرف مِیلان ہوتا ہے۔

خلاصہ کے طور پر جالینوس نے کہا کہ کوئی وصف جب دو آدمیوں میں مشترک ہوتا ہے تو یہی قدرِ مشترک سبب ہوتا ہے دونوں کی دوستی اور مناسبت کا۔

ساتھیوں نے کہا: ہمیں تعجب ہوا اور ان دونوں کے حالات کا جائزہ لیا کہ وہ قدر مشترک کیا ہے۔

چنانچہ جالینوس کے ساتھی جب اس بات کی تحقیق کے لیے اس پاگل کے قریب گئے تو حیران رہ گئے کہ دونوں لنگڑے تھے۔ یعنی قدر مشترک یہ وصف تھا جس سے دونوں میں مناسبت ہورہی تھی۔

مذکورہ بالا واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

اس واقعہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ جب انسان نیک آدمی سے مل کر خوش ہو یا نیک آدمی اس سے مل کر خوش ہو تو خدا کا شکر کرے کہ یہ علامت اچھی ہے یعنی طبیعت کی نیکی دونوں میں قدرِ مشترک ہے، خواہ اعمال ابھی اچھے نہ ہوں لیکن ایسا شخص نیکی میں ترقی کی صلاحیت رکھتا ہے۔

اور اگر کوئی برے انسان سے مل کر خوش ہو یا برے انسان اِس کی ملاقات سے خوش ہوں اور وہ اپنی برائی کی اصلاح بھی نہ چاہتے ہوں تو سمجھ لینا چاہیے کہ کوئی برائی اس کے اندر بھی ہے جو قدرِ مشترک بنی ہوئی ہے۔

تجربہ ہے کہ اگر کسی کو اس کے ظاہر سے دیندار سمجھا گیا ہے لیکن اس کا اٹھنا بیٹھنا رات دن دنیاداروں میں ہے اور یہ ان کی اصلاح کے لیے نہیں بیٹھتا بلکہ محض خوش طبعی اور تفریحی طور پر وقت گذارتا ہے تو سمجھ لینا چاہیے کہ یہ بھی دنیادار ہے۔

اس مضمون کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلْمَرْءُ عَلٰی دِیْنِ خَلِیْلِهٖ

ہر آدمی اپنے گہرے دوست کے دین پر ہوتا ہے۔ پس کسی شخص کو اگر پہچاننا ہو کہ یہ آدمی کیسا ہے تو اس کے گہرے دوستوں کو دیکھو کہ وہ کیسے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک صحابی رضی اللہ عنہ کی عیادت کرنا

حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ایک صحابی بیمار ہوئے اور بیماری کے سبب انتہائی کمزور ہوگئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیادت کے لیے تشریف لائے اور ان کا آخری وقت تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ بہت نقاہت ہے اور حالتِ نزع طاری ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حالت کو دیکھ کر بہت ہی نوازش اور اظہارِ لطف

فرمایا۔

اس بیمار صحابی رضی اللہ عنہ نے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو خوشی سے نئی زندگی محسوس کی اور ایسا معلوم ہوا کہ جیسے کوئی مردہ اچانک زندہ ہو گیا ہے۔

وہ صحابی رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے اس بیماری نے مجھ کو خوش نصیب اور خوش قسمت کر دیا کہ جس کی بدولت ہمارے سلطان المؤمنین حضور صلی اللہ علیہ وسلم میری امداد کے لیے تشریف لائے اور عیادت فرما رہے ہیں۔

اس صحابی رضی اللہ عنہ نے جوشِ محبت میں مزید کہا ''اے میری بیماری اور بخار! اے میرے رنج اور میری شب بیداری تجھے مبارک ہو کہ تو ہی سبب ہے کہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کو تشریف لائے ہیں''۔

اس کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت سے فارغ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہیں کچھ یاد ہے کہ تم نے ایک بار حالتِ صحت میں کیا دعا کی تھی۔

انہوں نے کہا مجھے تو یاد نہیں آتا کہ کیا دعا کی تھی۔ اس کے تھوڑے ہی دیر بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے ان کو وہ دعا یاد آ گئی اور عرض کیا ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم مجھے وہ دعا یاد آ گئی۔ وہ دعا یہ تھی کہ میں اپنے اعمال کی کوتاہیوں اور خطاؤں کے پیش نظر دعا میں یہ کہا کرتا تھا کہ اے اللہ! وہ عذاب جو آخرت میں آپ دیں گے وہ اسی عالم میں یعنی دنیا ہی میں مجھ پر جلد دے دیجیے۔ تا کہ عالمِ آخرت کے عذاب سے فارغ ہو جاؤں اور یہ درخواست اب تک میں کرتا رہا۔ یہاں تک کہ یہ نوبت آ گئی کہ مجھ کو ایسی شدید بیماری نے گھیر لیا اور میری جان اس تکلیف سے بے آرام ہو گئی۔ اور اس

بیماری کے سبب میں اپنے ذکر اور ان وظیفوں سے جو حالتِ صحت میں میرے معمولات تھے عاجز اور مجبور ہو گیا ہوں اور اپنے اقرباء اور ہر نیک و بد سے بے خبر پڑا ہوں''۔

اس مضمونِ دعا کو رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سن کر ناراضگی کا اظہار فرمایا اور منع فرمایا کہ آئندہ ایسی دعا کبھی مت کرنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی دعا کو عبدیت کے خلاف قرار دیا۔ یعنی یہ آدابِ بندگی کے خلاف ہے کہ اپنے مولیٰ سے بلا وعذاب طلب کرے کیونکہ ایسی دعا کرنا گویا ایک طرح کا اللہ تعالیٰ کے سامنے دعویٰ کرنا ہے کہ ہم آپ کی بلا وعذاب کو برداشت کر سکتے ہیں۔

چنانچہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو نصیحت فرمائی کہ

''کیا تو طاقت رکھتا ہے کہ تجھ جیسی بیمار چیونٹی پر خدائے پاک ایسا بڑا پہاڑ اپنی بلا کا رکھ دیں''۔

اور آپ نے نے مزید تلقین فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''اب اس طرح سے دعا کرو کہ اے اللہ! میری دشواری کو آسان کر دیجیے۔ تا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مصیبت کے کانٹے کو گلشنِ راحت سے تبدیل فرما دے۔

اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ اے اللہ! دنیا میں بھی مجھے بھلائیاں عطا فرما اور آخرت میں بھی ہم کو بھلائیاں عطا فرما''۔

مذکورہ بالا واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

اس واقعہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ کبھی اللہ تعالیٰ سے بلا نہ مانگے، ہمیشہ دونوں جہان کی عافیت مانگتا رہے اور اپنے رب کے سامنے اپنے ضعف اور عاجزی کا اقرار کرتا رہے۔ مثلاً اگر کسی شخص کو بدنگاہی کی بیماری ہے تو اللہ تعالیٰ سے اصلاح کی دعا کرے مگر

کبھی پریشان ہو کر یہ نہ کہے کہ یا اللہ یہ بیماری تو میری اچھی نہیں ہوتی اس سے تو بہتر ہے کہ تو مجھے بیمار کردے تا کہ آنکھوں سے گناہ نہ ہو۔ ایسی دعا جہالت اور نادانی ہوگی، خوب سمجھ لینا چاہیے۔ جہاں تک ہو بلا سے بچو اور عافیت کا سوال کرو۔

ایک شاہی باز اور بڑھیا کا واقعہ

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک بار ایک شاہی باز، محل سے اُڑ گیا اور پڑوس میں ایک بوڑھی عورت کے گھر پہنچ گیا، بڑھیا نے اس باز کو پکڑ لیا۔ بڑھیا نے جب اس کے لمبے لمبے ناخن اور بڑے بڑے پَر دیکھے تو اسے باز پر بہت ترس آیا۔ اس نے دل میں سوچا کہ اس بیچارے غریب کی آج تک کسی نے خبر گیری نہ کی۔ یہاں تک کہ اس کے ناخن اور پَر بڑے ہو گئے۔ چنانچہ باز پر رحم کھاتے ہوئے اس نے قینچی لی اور اس نے اس کے بڑے بڑے ناخنوں کو اور اس کے بڑے بڑے پَروں کو کاٹ دیا اور کہا کہ افسوس کہ تو کِس نااہل کے یہاں پڑا تھا۔ جس نے تجھے یتیم کی طرح بنا رکھا تھا۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جاہل اور نادان کی محبت اسی طرح کی ہوتی ہے، کیونکہ باز کے ناخن اور پر ہی تو اس کے کمالات تھے، جن سے وہ شکار کرتا ہے اسی وجہ سے وہ باز کہلاتا تھا۔ اور اس نادان عورت کو وہی کمالات عیب نظر آئے اور باز کو

اس ظالمہ نے بالکل ہی بیکار کردیا اور کبوتر کی طرح بنادیا۔

ایک دن بادشاہ باز کو تلاش کرتے کرتے اس عورت کے گھر آ پہنچا اور اچانک اپنے باز کو اس حالت میں دیکھ کر رونے لگا اور وہ باز اپنے پروں کو بادشاہ کے ہاتھ پر ملتا تھا اور زبانِ حال سے کہہ رہا تھا کہ میں نے آپ سے علیحدگی کا انجام دیکھ لیا اور اپنی بڑی غلطی کا مزہ چکھ لیا۔

زبانِ حال سے باز نے پھر کہا کہ اے بادشاہ میں شرمندہ ہوں اور توبہ کرتا ہوں اور نیا عہد و پیمان کرتا ہوں۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ اس واقعہ سے نصیحت فرماتے ہیں کہ یہ دنیا اسی جاہل بوڑھی عورت کے مانند ہے کہ جو شخص اس دنیا پر مائل ہوتا ہے وہ بھی اسی طرح ذلیل اور غبی بے وقوف ہے۔

جو شخص کسی جاہل سے دوستی کرتا ہے اس کا وہی حشر و انجام ہوتا ہے جو اس شاہی باز کا اس بوڑھی نادان عورت کے ہاتھ سے ہوا۔

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بعض نادان اسی طرح خادمِ اسلام ہونے کے مدعی ہیں اور اپنی جہالت اور نادانی سے اسلام کو اپنے نظریاتِ احمقانہ کے تابع کر کے اس کی حقیقی صورت کو مسخ کر رہے ہیں اور عموماً یہ وہی لوگ ہیں جو اپنے ذاتی مطالعہ سے اہلِ قلم بن بیٹھے اور کسی کامل استاد سے دین کو نہیں سیکھا۔ ایسے لوگوں کی تصنیف کے مطالعہ سے احتیاط واجب ہے۔ مسلم شریف میں ہے:

"اِنَّ ھٰذَا الْعِلْمَ دِیْنٌ فَانْظُرُوْا عَنْ مَنْ تَأْخُذُوْنَ دِیْنَکُم

وَالْاِسْنَادُ مِنَ الدِّین".

جس شخص سے دین سیکھو پہلے اس کے بارے میں اس وقت کے کاملین کی رائے معلوم کرلو۔ یعنی جس لوٹے سے پانی پینا ہے اس کے اندر دیکھ لو کہ پانی صاف ہے یا کچھ اور ملا ہوا ہے، ورنہ جو اس میں ہے وہی منہ میں داخل ہوگا اور دینِ صحیح کے لیے اسناد ضروری ہے۔

مذکورہ بالا واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

اس واقعہ سے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ ہمیں بہت اہم نصیحت فرمانا چاہتے ہیں جس پر عمل کر کے ہم دورِ حاضر کے بہت سارے فتنوں سے اپنے دین اور ایمان کو بچا سکتے ہیں۔ وہ نصیحت یہ ہے کہ اگر کسی کو شریعت کے تمام علوم میں کامل مہارت نہیں ہے تو وہ خود محض سرسری مطالعہ یا قرآن وحدیث کا اردو ترجمہ دیکھ کر، اپنے زمانے کے مستند علماء سے باقاعدہ تعلیم حاصل کیے بغیر رائے زنی کرنے سے احتراز کرے۔ ورنہ ہوگا یہ کہ وہ اپنے طور پر تو اس بڑھیا کی طرح یہ سمجھے گا کہ میں دینِ اسلام کی بہت بڑی خدمت کر رہا ہوں، مگر درحقیقت وہ اپنی خدمت کے ذریعے اسلام کی جڑیں کاٹ ڈالے گا۔ اور اسلام کے ان احکام کو، شاہی باز کی طرح جن کی بنیاد پر دینِ اسلام کی بہت اونچی پرواز ہے اور انہی احکام کی وجہ سے اسلام کی شان وشوکت ظاہر ہوتی ہے۔ یہ اپنی خدمت کے ذریعہ کاٹ ڈالتا ہے اور اسلام کو شاہی باز کی طرح دنیا کے سامنے ایک کبوتر کی طرح بنا کر پیش کرتا ہے۔

اور یہ نوبت عموماً اس وقت پیش آتی ہے جب بندہ ساری زندگی دنیوی محکموں میں ملازمت کرتا ہے مثلاً ڈاکٹر ہوتا ہے یا کسی تعلیمی ادارے میں پروفیسر ہوتا ہے یا فوج

میں اعلیٰ عہدے پر فائز رہ چکا ہوتا ہے۔ اب اپنے محکموں سے ریٹائرمنٹ کے بعد دینِ اسلام کی خدمت اور اپنی ساری زندگی کی کوتاہیوں کی تلافی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے تو اب ہر کوئی مجتہد بن کر، قرآن مجید اور حدیث کی کتابوں کا ترجمہ دیکھ کر بڑے بڑے ائمہءِ دین اور بزرگانِ دین کی تعلیمات کے برعکس اپنی رائے پیش کرتا ہے۔ چنانچہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔

خدارا! ایسے لوگ سوچیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم خدمت کی بجائے الٹا دینِ اسلام کو نقصان پہنچا بیٹھیں۔

دیکھیئے! جہاد، پردہ، سود کی حرمت، داڑھی، اسلامی وضع قطع وغیرہ وغیرہ اسلام کے نمایاں احکام ہیں۔ مگر کتنے لوگ ہیں کہ اسلام کی خدمت کے جذبے میں اسلام پر ترس کھاتے ہوئے، شاہینِ اسلام کے یہ پَر کاٹ دیتے ہیں۔

شاہی بازاور الوؤں کا واقعہ

ایک مرتبہ ایک بادشاہ کا باز اڑتے اڑتے ایک ایسے ویرانے میں پہنچ گیا جہاں بہت سے الّو رہتے تھے۔ وہاں جتنے الّو تھے انہوں نے شور برپا کردیا اور الزام تراشی شروع کردی کہ یہ باز ہمارے ویرانے پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔

باز ان بے وقوفوں کے اندر بہت گھبرایا اور ان سے کہا کہ میں یہاں نہ ٹھہروں گا میں بادشاہ کی طرف واپس جاتا ہوں۔ اور یہ ویرانہ تمہیں مبارک ہو! میرا مقام تو بادشاہ کے پنجے اور کلائی ہوتا ہے۔

الوؤں نے کہا کہ یہ باز حیلہ و مکر کر رہا ہے اور اس طرح ہمارا استحصال کرنا چاہتا ہے۔ اور یہ باز ہمارے گھروں پر اپنے مکر سے قبضہ کر لے گا اور اس خوشامد وسیاست سے ہمارا آشیانہ اکھاڑ پھینکے گا۔ اور ہماری بستی اجاڑ دے گا۔

باز نے محسوس کیا کہ یہ نادان احمق الو مجھ پر کہیں حملہ نہ کر دیں اس لیے اس نے کہا:

''اگر تم لوگوں کی شرارت سے میرا ایک پر بھی ٹوٹ گیا تو میں جس بادشاہ کا ہوں وہ تمہارے الوستان ہی کو جڑ سے اکھاڑ کر تباہ کر دے گا''۔

''اور ہاں سنو! بادشاہ کی عنایت میری حفاظت کرتی ہے اور میں کہیں بھی چلا جاؤں مگر بادشاہ کی نگاہِ حفاظت بھی میرے ساتھ ہے۔ بادشاہ کے دل میں ہر وقت میرا خیال ہے اور بغیر میرے خیال کے بادشاہ کا دل بیمار ہو جاتا ہے''۔

''یاد رکھو! میں باز شاہی ہوں مجھ پر تو ھُما بھی رشک کرتا ہے یہ الو بے وقوف ہمارے اسرار کو کیا جانیں گے''۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اسی طرح بعض اوقات اولیاء اللہ جو باز شاہی کی طرح اور جانباز الٰہی ہیں وہ بھی دنیادار بے وقوفوں کی نگاہ میں ایسے ہی پہچانے جاتے ہیں جس طرح الوؤں نے باز شاہی کے متعلق قیاس آرائیاں کی ہیں اسی طرح اللہ والوں کو ستانے والے بھی قیاس آرائیاں کرتے ہیں اور ان کی حفاظت بھی اللہ تعالیٰ کی

عنایت کرتی ہے اور وہ کسی وقت بھی شاہِ حقیقی کی نگاہِ حفاظت اور نگاہِ عنایت سے دور نہیں ہیں۔ خواہ کہیں بھی ہوں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرمایا ہے: "فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا".

بے شک آپ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں، یعنی اے محمد! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کفار آپ کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے کہ آپ ہر وقت میری نگاہِ حفاظت میں ہیں۔

مذکورہ بالا واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ جس شخص کے دل میں اللہ تعالیٰ سے تعلق کی عظیم نعمت و دولت موجود ہو اس کی نظر بھی ہر وقت بادشاہِ حقیقی پر ہوتی ہے۔ اور ساری دنیا اس کی نظر میں ''الّو ستان'' (الّوؤں کی بستی) کی طرح ویرانہ محسوس ہوتا ہے۔ اور یہ شخص دنیا کے ویرانے میں کہیں بھی خوف زدہ نہیں ہوتا۔

ایک مور اور حکیم کی آپس میں گفتگو کا واقعہ

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک مور اپنے خوبصورت پروں کو نوچ نوچ کر پھینک رہا تھا۔ ایک حکیم (دانا شخص) کا وہاں سے گزر ہوا، اس نے یہ ماجرا دیکھ کر معلوم کیا کہ اے مور! ایسے خوبصورت پروں کو اکھاڑ کر کیوں اللہ تعالیٰ کی ناشکری کرتا ہے؟

مور نے جواب دیا کہ کیا تو نہیں دیکھتا کہ ہر طرف سے سینکڑوں بلائیں اور مصیبتیں انہی پروں کی وجہ میری طرف آتی ہیں۔

مور نے مزید وضاحت کرتے ہوئے اس سے کہا:

اکثر اوقات ظالم شکاری انہی پروں کو حاصل کرنے کے لیے ہر طرف جال بچھاتا ہے۔ جب میں کو ان بلاؤں اور فتنوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے پر قادر نہیں ہوں تو اس سے یہ بہتر ہے کہ میں اپنے پروں کو دور کردوں اور اپنی صورت کو مکروہ بنالوں تا کہ پہاڑوں اور میدانوں میں شکاریوں کے جال سے بے فکر ہو جاؤں۔

مور نے نتیجہ خیز گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ میرے نزدیک جان کی حفاظت بال و پَر کی حفاظت سے زیادہ ضروری اور اہم ہے۔ اگر جان بچ جائے اور اس کے مقابلے میں جسم کو نقصان ہو جائے تو کوئی غم اور پریشانی کی بات نہیں ہے۔

مذکورہ بالا واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسی وجہ سے اللہ والے بھی اپنے آپ کو شہرت سے دور رکھتے ہیں، کیونکہ شہرت کے ساتھ ساتھ بہت سی بلائیں بھی ساتھ آتی ہیں۔ اور عافیت وسکون برباد ہو جاتا ہے چنانچہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کھل کر اس بات کی ہمیں نصیحت فرماتے ہیں۔

''اپنے کو بے نام ونشاں اور عاجز ومسکین بنا کر رکھو تا کہ یہ حالت تم کو شہرت سے دور رکھے۔ کیونکہ شہرت سے گوشۂ عافیت چھن جاتا ہے اور شہرت بہت سی بلائیں اپنے ساتھ لاتی ہے''۔

البتہ اگر خود حق تعالیٰ کسی کامل کو مشہور فرمادیں تو پھر انہیں کی حفاظت بھی سایہ

فگن ہوتی ہے، وہ شہرت قابلِ مذمّت ہے جو خود کوشش کر کے حاصل کی جاتی ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ

ایک بار حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے یہاں چند مہمان آئے، کھانا کھانے کے بعد دستر خوان کا رنگ زرد ہو گیا۔ دستر خوان میں شوربا لگ جانے کے بعد اس کی صفائی کے لیے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے خادمہ کو حکم دیا کہ اس کو جلتے ہوئے تنور میں ڈال دو۔ خادمہ نے حسبِ حکم ایسا ہی کیا اور دستر خوان کو آگ میں ڈال دیا۔ تمام مہمانوں کو اس حکم سے حیرت ہوئی اور دستر خوان کے جلنے اور اس سے دھواں اٹھنے کا انتظار کرنے لگے۔ لیکن اس کو جب تنور سے نکالا گیا تو بالکل محفوظ تھا اور صاف ہو گیا تھا۔

لوگوں نے کہا کہ اے صحابی رضی اللہ عنہ! ہمیں بتلایئے یہ دستر خوان آگ میں کیوں نہ جلا اور بجائے جلنے کے اور زیادہ صاف ستھرا کیسے ہو گیا؟!

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس کا سبب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دستر خوان سے بارہا اپنے دستِ مبارک اور لب مبارک کو صاف کیا تھا۔

مذکورہ بالا واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ اس وقعہ سے ہر اس شخص کو نصیحت فرماتے ہیں جس کا دل جہنم کی آگ اور عذاب سے خوفزدہ ہے اسے چاہیے کہ ایسے مبارک ہاتھوں اور لبوں سے قریب ہوجائے جن کی برکت سے آگ جلانے سے باز آجاتی ہے۔ جس کا طریقہ صرف اور صرف اتباعِ سنت ہے۔

اس لیے کہ جب جمادات کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک لبوں نے یہ شرافت عطا فرمائی ہے تو اپنی عاشق جانوں کو تو نہ معلوم کیا کچھ عطا فرمایا ہوگا۔

جب دستر خوان کو حسّی قُرب سے یہ شرف عطا ہوا تو اتباعِ سنّت جو قُربِ معنوی اور قربِ حقیقی ہے اس سے تو کیا ہی کچھ انعامات دونوں جہاں میں عطا ہوتے ہیں!! اللہ تعالیٰ ہم سب کو اتباع سنت کی توفیق نصیب فرمائیں اور اس عظیم نعمت پر حریص فرمائیں۔

خلافتِ فاروقی میں ایک چور کی گرفتاری کا واقعہ

ایک چور حضرتِ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانۂ خلافت میں آپ کی عدالت میں جلادوں کے سپرد کیا گیا۔ اس نے فریاد کی کہ مجھے معاف کر دیا جائے، یہ پہلی بار کا جرم ہے آئندہ نہ کروں گا۔

چنانچہ چور نے لجاجت کرتے ہوئے کہا اے امیر المؤمنین! یہ میرا پہلا جرم ہے، مجھے درگذر کر دیجیے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ پہلی خطا پر قہر نازل نہیں فرماتے۔

اکثر اپنے فضل کے اظہار کے لیے بندوں کے جرائم کی پردہ پوشی فرماتے ہیں۔ پھر جب کوئی حد سے گذر جاتا ہے تو پھر اپنے عدل کے اظہار کے لیے اسے مصیبت میں گرفتار اور رسوا کرتے ہیں۔ تا کہ اللہ تعالیٰ کی دونوں ہی صفات کا ظہور ہو جائے ایک صفت ''بشیر'' ہے یعنی خوشخبری دینے والے اور دوسری صفت ''نذیر'' یعنی ڈرانے والے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مریض کی عیادت کرنا

ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی کہ اے موسیٰ! تم نے میری بیماری میں میری عیادت نہیں کی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے میرے رب! آپ نقص اور بیماری سے پاک ہیں اور آپ کے اس ارشاد میں کیا راز ہے، ہم پر ظاہر فرما دیجیے۔

غیب سے آواز آئی کہ اے موسیٰ! میرا ایک خاص بندہ جو میرا برگزیدہ اور

پیارا ہے، بیمار ہو گیا۔

اس مقربِ بارگاہ کی معذوری میری معذوری ہے اور اس کی بیماری میری بیماری ہے۔ تمہارے اس کی عیادت کے لیے جانے میں تمہارا ہی فائدہ ہے اور اس کا فائدہ، ثواب اور خاص بندے کی دعا کا ثمرہ سب کچھ تمہیں لوٹ کر ملے گا۔

اور اگر کوئی دشمن بھی بیمار ہو تو بھی اس کی عیادت بہتر ہے کیونکہ احسان سے دشمن بھی بسا اوقات دوست ہو جاتا ہے۔

اگر اس عمل سے دوست نہ بھی ہوا تو کم از کم اس کی عداوت اور کینہ میں کمی ہو جائے گی، اس واسطے کہ احسان کینہ کے زخم کے لیے مرہم ثابت ہوتا ہے۔

احسان کے بہت سے فوائد اس کے علاوہ بھی ہیں، لیکن مضمون کے لمبا ہونے کے خوف سے اسے چھوڑ رہا ہوں۔

مذکورہ بالا واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے خاص بندوں سے کس قدر تعلق ہے کہ ان کی بیماری کو اپنی بیماری فرمایا اللہ تعالیٰ اس سے ان کی محبوبیت کا مقام معلوم ہوتا ہے۔

جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمنشینی کا طالب ہو، اس کو چاہیے کہ وہ اولیاء کی مجلس میں بیٹھا کرے اور ان کی محبت و خدمت کو بالواسطہ محبتِ الٰہی اور خدمتِ الٰہی سمجھے۔

آبِ حیات کی تاثیر رکھنے والے درخت کا واقعہ

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک دانا شخص نے امتحان کے طور پر کسی سے کہا کہ ہندوستان میں ایک درخت ایسا ہے کہ جو کوئی اس کا میوہ کھالیتا ہے کبھی نہیں مرتا۔ اس خبر کو جب بادشاہ نے سنا تو وہ اس درخت کے لیے عاشق اور دیوانہ ہو گیا اور فوراً ایک قاصد اس درخت کی تلاش کے لیے ہندوستان بھیجا۔ یہ قاصد سالہا سال ہندوستان کے اطراف و جوانب میں سرگرداں پھرتا رہا اور اُسے کہیں ایسا درخت نہ ملا۔ جس سے بھی دریافت کرتا لوگ اس کو جواب دیتے کہ ایسے درخت کو صرف پاگل، دیوانے تلاش کرتے ہیں، چنانچہ سب لوگ اس کا مذاق اڑاتے۔

جب یہ شخص غریب الوطنی اور سفر کی مشقتوں سے تھک کر چُور ہو گیا تو نامراد اور مایوس ہو کر واپسی کا عزم کیا۔ واپسی کے وقت راستے میں ایک شیخ ملے جو اپنے زمانہ کے قطب تھے۔ جس مقام پر یہ شخص نادم اور مایوس ہو کر واپسی کا عزم کر رہا تھا وہیں ایک بڑے قطبِ وقت اور صاحب کرم بزرگ رہتے تھے۔

یہ شخص شیخ کے پاس روتا ہوا حاضر ہوا اور عرض کیا:

اے شیخ! میں اپنے مقصد اور مراد میں ناامید ہو گیا ہوں، یہ آپ کی مہربانی کا

وقت ہے آپ میرے ساتھ تعاون فرمائیں۔

شیخ نے دریافت کیا کہ تمہاری نامرادی کیا ہے اور تیرا مقصد کیا ہے؟

اس نے عرض کیا کہ میرے بادشاہ نے مجھے یہ کام سپرد کیا تھا کہ میں ایسے درخت کو معلوم کرلوں۔ جو ہندوستان کے اطراف میں پایا جاتا ہے، جس کا میوہ کھا کر آدمی ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔ میں نے سالہا سال ڈھونڈا مگر اس کا نشان و پتہ نہ ملا، سوائے اس کے کہ میرا مذاق اڑایا گیا اور مجھے پاگل سمجھا گیا۔

شیخ یہ گفتگو سن کر ہنسا اور اس سے کہا اے دوست! یہ درخت صرف علم کی نعمت ہے۔ علم سے انسان دائمی زندگی پاتا ہے اور بے علم آدمی مردہ کی طرح ہوتا ہے۔

لیکن یہ بات خوب ذہن نشین رہے کہ علم سے مراد صرف وہی علم ہے جو بندہ کو اللہ تعالیٰ تک پہنچادے اور جس علم کے ذریعہ معاش اور ملازمتیں ملتی ہیں، وہ علوم صنعت و حرفت کہلاتے ہیں۔ علم اپنے حقیقی معنی کے اعتبار سے صرف علمِ دین ہے۔ جس کے ذریعہ بندہ اپنے مالک کو راضی کر کے دونوں جہان کی باعزت حیات حاصل کرتا ہے اور جس کے بغیر آدمی زندہ رہتے ہوئے بھی مردہ ہوتا ہے۔ اسی مفہوم کے پیش نظر علم کو آبِ حیات سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کیونکہ بغیر علم کے خدا کی معرفت ناممکن ہے۔

مذکورہ بالا واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ جو شخص بھی ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی حاصل کرنا چاہتا ہو وہ علم دین حاصل کرے جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی پہچان حاصل ہوتی ہے۔

ایک شخص کو حضرت عزرائیل علیہ السلام کا غور سے دیکھنا

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک سادہ انسان حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کا چہرہ خوف سے زرد ہو رہا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے دریافت کیا کہ تم کیوں اتنے خوفزدہ ہو؟

اس نے عرض کیا کہ مجھے عزرائیل علیہ السلام نے غضبناک نظر سے دیکھا ہے۔ اس وجہ سے مجھے بے حد پریشانی اور تشویش ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے دریافت فرمایا کہ پھر تم کیا چاہتے ہو؟

اس نے کہا کہ مجھے یہاں سے ہندوستان پہنچا دیجیے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہوا کو حکم دیا کہ اس کو ہندوستان میں اس مقام پر پہنچا دو جہاں یہ جانا چاہتا ہے۔

دوسرے دن عزرائیل علیہ السلام سے ملاقات کے وقت حضرت سلیمان علیہ السلام نے دریافت کیا کہ آپ نے ایک مسلمان کو اس طرح غور سے کیوں دیکھا جس سے وہ تشویش میں مبتلا ہے، کیا تمہارا ارادہ اس کی روح کو قبض کرنا تھا اور بے چارے کو اس غریب الوطنی اور مسافری کی حالت میں لاوارث کرنا تھا۔

انہوں نے عرض کیا کہ میں نے اس کو اس لیے تعجب سے دیکھا تھا کیونکہ مجھے اللہ تعالیٰ نے ہندوستان میں اس کی روح قبض کرنے کا حکم دیا تھا اور یہ شخص اس وقت یہاں موجود تھا۔

جب حکم الٰہی سے میں ہندوستان پہنچا تو میں نے اس کو وہاں موجود پایا اور اس کی جان میں نے قبض کر لی۔

مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اے مخاطب! تو اس جہان کے تمام کارناموں کو اسی واقعہ پر قیاس کر لے اور آنکھیں کھول کر ان حالات کا مشاہدہ کر لے۔

ہم کس سے بھاگ رہے ہیں؟ کیا حق تعالیٰ سے؟؟؟ ارے یہ خیال محال اور ناممکن ہے کہ ہم للہ تعالیٰ سے بھاگ کر کہیں چھپ جائیں۔ ہم کس سے سرکشی کر رہے ہیں؟ کیا حق تعالیٰ سے؟؟؟ ارے دوست یہ سرکشی اور نافرمانی یہ وبال ہی وبال ہے۔

مذکورہ بالا واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے معاملہ صاف رکھو! یعنی حقوق اللہ اور حقوق العباد کے تمام فرائض واجبات ادا کر کے ہی چین سے بیٹھو! کہ نہ معلوم کہاں اور کس وقت ہم دنیا سے حساب کے لیے طلب کر لیے جائیں۔ اس لیے کہ جو وقت اللہ تعالیٰ نے موت کا مقرر فرما دیا ہے اس کو ایک لمحہ بھی تقدیم وتاخیر نہیں ہو سکتی۔ اور جو جگہ موت کے لیے مقرر فرما دی ہے اس سے ایک انچ بھی آگے پیچھے نہیں ہو سکتے۔

دریا کے کنارے پر موجود ایک پیاسے شخص کا واقعہ

ایک دریا کے کنارے ایک پیاسا آدمی بیٹھا تھا اور دریا کے کنارے اور اس کے درمیان ایک بلند دیوار حائل تھی۔

یہ شخص پیاس کی وجہ سے پانی کے لیے بے قرار تھا اور پانی تک رسائی میں چونکہ یہ دیوار حائل اور مانع تھی اس شخص نے دیوار سے ایک اینٹ پانی میں پھینک دی پانی کی آواز سے اس کو بہت مسرت اور تسلی ہوئی، پھر اس نے بار بار دیوار سے ایک ایک اینٹ نکال کر پانی میں ڈالنا شروع کر دی۔ پانی نے اس سے کہا: تم مجھے اینٹ سے کیوں مارتے ہو اس میں تمہارا کیا فائدہ؟

اس شخص نے جواب دیا کہ پہلا فائدہ پانی کی آواز سننا ہے کہ پیاسوں کے لیے یہ آواز بڑی تسلی کا سامان ہوتی ہے۔

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اینٹوں کی کمی سے دیوار پست ہو رہی ہے اور جس قدر یہ نیچی ہوتی جا رہی ہے اسی قدر پانی سے قُرب بڑھتا جا رہا ہے۔ چنانچہ دیوار کی جدائی اور رکاوٹ کا دور ہونا پانی حاصل ہونے کا ذریعہ ہے۔

مذکورہ بالا واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

اس واقعہ سے سالکین یعنی اللہ تعالیٰ کی محبت وقرب کے طلبگاروں کو یہ سبق ملتا ہے کہ ایک سالک اور طالب چونکہ اللہ تعالیٰ کی محبت کی شدید پیاس میں مبتلا ہوتا ہے اور نفس اور اس کی بری خواہشات سامنے دیوار کی طرح حائل ہوتی ہیں، نفس کی خواہشات کے آگے اللہ تعالیٰ کے قرب کا دریا ہے۔ اب جو طالب نفس کو مٹانا شروع کرے گا یعنی ایک ایسی خواہش جو خلافِ شریعت ہو اس کو پورا نہ کرے۔ چنانچہ نفس کی وہ دیوار جو قرب الٰہی سے رکاوٹ ہے اس کی ایک ایک خواہش کی اینٹ کو گرانا شروع کردے تو اس کو قرب الٰہی کا احساس بھی ہوگا۔ جس سے اس کے پیاسے دل کو تسلی اور اطمینان کی دولت حاصل ہوگی۔

دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ ایک ایک گناہ کی خواہش کو مٹانے سے جیسے جیسے نفس کی دیوار پست ہوتی جائے گی، ویسے ویسے اللہ تعالیٰ سے قرب بڑھتا جائے گا۔ یہاں تک کہ نفسانی خواہشات کی دیوار گرتے گرتے بالکل فنا ہوجائے گی یعنی تمام نفسانی خواہشات اللہ کی مرضی کے تابع ہوجائیں تو مکمل قربِ خداوندی حاصل ہوجائے گا۔ اور ایسی پاکیزہ حیات حاصل ہوجائے گی جس پر دونوں جہان کی لذتیں قربان ہوجائیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس سیاہ کار مرتب کو بھی عارف ربانی کی صحبت اور دعا وتوجہ کی برکت سے یہ دولت عطا فرمادیں۔

ایک وعدہ خلاف شخص کا واقعہ

ایک دفعہ کا ذکر ہے ایک شخص نے لوگوں کے راستے میں ایک کانٹے دار درخت لگایا۔ یہ درخت جس قدر بڑھتا گیا، مخلوق کے پاؤں اس کے کانٹوں کے زخم سے خون آلود ہونے لگے۔

لوگوں نے اس کو ملامت کی کہ یہ تم نے کیا حرکت کی۔ لیکن اس پر کچھ اثر نہ ہوا سوائے اس کے کہ وہ وعدہ کرلیا کرتا کہ کل اس کو اکھاڑ دوں گا۔ ایک عرصہ تک اسی طرح ٹال مٹول کرتا رہا یہاں تک کہ اس کے فعل خبیث کی حاکمِ وقت کو اطلاع ہوئی۔

حاکمِ وقت نے بھی اس کو حکم دیا کہ اس کو اکھاڑ دے پھر بھی یہ ظالم یہی کہتا رہا کہ کل اکھاڑ دوں گا اور ہر روز وعدہ کرنے والا کبھی بھی اپنے وعدہ پر پورا نہ اترا، اس تاخیر کا انجام یہ ہوا کہ یہ درخت مضبوط ہوگیا اور اس قدر جڑیں گہرائی میں چلی گئیں کہ اب اس کا اکھاڑنا مشکل ہوگیا اور یہ ظالم اس کے اکھاڑنے سے عاجز آ گیا۔

مذکورہ بالا واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسی طرح ہماری بُری عادتیں اور گناہ کے خصائل ہیں کہ ان کی اصلاح میں جس قدر دیر کی جائے گی ان کی جڑیں مضبوط تر ہوتی

جائیں گی یہاں تک پھر گناہوں کی جڑیں مضبوط ہوجائیں گی اور نفس امارہ جوان، جبکہ انسان کے قویٰ آخر کار بوڑھے ہوجائیں گے۔ کہ پھر نفس کا مقابلہ مشکل ہوجائے گا۔ جس طرح سے وہ کانٹے دار درخت جوان ہوتا گیا اور اس کا اکھاڑنے والا بوڑھا اور کمزور ہوتا گیا۔ آخر کار وہ شخص اپنے بڑھاپے کی اور کمزوری کی وجہ سے اس کے اکھاڑنے سے عاجز آ گیا۔

ایک چوہے کا اونٹ کی لگام تھامنے کا واقعہ

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک چوہے نے ایک اونٹ کی لگام ہاتھ میں لے کر بھاگنے کی کوشش کی، اونٹ نے یہ حرکت دیکھ کر اس بے وقوف کو اور ڈھیل دی اور اپنے کو اس کے تابع کردیا۔ آگے آگے وہ چوہا چل رہا تھا۔ پیچھے پیچھے یہ اونٹ تابعدار غلام کی طرح چل رہا تھا۔ یہاں تک کہ ایک دریا سامنے آ گیا اب تو چوہے کے اوسان خطا ہوئے اور سوچنے لگا کہ اب تک تو میں نے ایسے عظیم القامت جسم کی رہبری کی اور مجھے یہ فخر تھا کہ ایک اونٹ میرے تابع ہے مگر اب آگے پانی میں رہبری کس طرح کروں؟ یہ سوچتے ہوئے وہیں چوہا کھڑا ہوگیا۔

اونٹ نے اس کی مصنوعی تعریف کرتے ہوئے کہا اے میرے پہاڑ اور جنگل

کے ساتھی! یہ رکنا کیسا!!! اور یہ حیرانی کیوں!!! دریا کے اندر مردانہ قدم رکھ دے۔

چوہے نے کہا کہ مجھے تو اس میں ڈوب جانے کا خوف ہے۔

اونٹ نے کہا کہ اچھا صبر کرو ذرا میں دیکھتا ہوں کہ پانی کس قدر ہے آیا تم ڈوب سکو گے یا نہیں، چنانچہ اونٹ نے ایک قدم دریا میں رکھ کر کہا ارے چوہے! اوارے میرے شیخ ورہبر! صرف گھٹنہ تک پانی ہے یہاں تک تو رہبری کیجیے۔

چوہے نے جواب دیا کہ جناب! جہاں پانی تمہارے گھٹنے تک ہے وہاں تو میرے سر سے بھی کئی گنا پانی اونچا ہوگا، ذرا دیکھو تو میرے اور تمہارے زانوں میں کتنا فرق ہے۔

اونٹ نے اس کی حماقت واضح کرتے ہوئے کہا کہ اب گستاخی نہ کرو، سیدھے سیدھے پانی میں آکر رہبری کرو، آپ کو تو میری رہبری پر بڑا ناز وفخر تھا۔ ارے احمق! میں نے تیرے پیچھے اس لیے اقتداء کی تھی تاکہ تیری حماقت اور زیادہ ہو جائے۔

چوہے نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا کہ پانی میں اترنا تو میری ہلاکت ہے۔ میری توبہ ہے، آپ معاف کردیجیے، آئندہ آپ کا مقتدا اور شیخ بننے کا کبھی خیال بھی میرے دل میں نہ گذرے گا۔

اس نے مزید لجاجت سے کہا: میں نے اللہ کے لیے توبہ کی، میری جان اس خطرناک پانی سے چھڑا لیجیے۔

اونٹ کو چوہے کی توبہ اور ندامت پر رحم آیا اور اس نے کہا کہ چلو اچھا میری کوہان پر بیٹھ جا اور دیکھ! تیرے جیسے سو اور چوہے بھی میری پیٹھ پر بیٹھ کر ایسے پانی سے بحفاظت گذر سکتے ہیں۔

اونٹ نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا کہ اگر تجھ کو خدا نے سلطان اور بادشاہ نہیں بنایا تو رعایا بن کر رہ اور جب تجھے ملاّحی نہیں آتی تو کشتی مت چلا۔

اگر تو پتھر کی طرح بے حس ہے یعنی خشیت وخوفِ آخرت سے محروم ہے تو جا کسی اہلِ دل (اللہ والے) سے تعلق قائم کر کہ اس کی صحبت سے تو موتی بن جائے گا۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اس واقعہ کے بعد نصیحت فرماتے ہیں کہ اللہ والے اپنے باطن میں بڑی دولت رکھتے ہیں ان کے سامنے ساتوں براعظموں کی سلطنت بھی ہیچ ہے۔ کیونکہ پوری کائنات کے خالق سے ان کے دل کا رابطہ قائم ہو چکا ہے۔ لہٰذا انہیں حقیر مت سمجھو اور اپنے روز وشب کو ان کے روز وشب پر قیاس مت کرو اور اس چوہے کی مانند اپنے دنیاوی ٹھاٹ باٹھ یا علمی وعملی جاہ سے دھوکہ نہ کھاؤ، اگر تم کسی طرح بھی ان پر برتری کا احساس رکھو گے تو ہمیشہ ان کے فیض سے محروم اور ذلیل ہو گے، بالآخر انہیں کی پیٹھ پر بیٹھ کر ہی اللہ کا راستہ طے کرنا پڑے گا اور اسی چوہے کی طرح توبہ کرنی ہوگی اس لیے روزِ اول ہی سے اپنے دماغ سے فانی دنیا کی جاہ وعزت اور مال ودولت اور علمِ ظاہری اور بے روح عمل کا پندار نکال کر کسی اللہ والے سے نیاز مندانہ تعلق کر لو اور ان کی تعلیمات کے مطابق عمل کرو۔ اور ان سے اپنے نفس کی اصلاح کرا لو خوب یاد رکھو! چند دن کے بعد اس حقیقت سے تم خود آگاہ ہو جاؤ گے۔

ہاتھی کے بچے کے قتل کا واقعہ

ہندوستان کا واقعہ ہے کہ ایک عقلمند نے اپنے دوستوں کے ایک گروہ کو دیکھا کہ وہ لوگ کسی سفر میں وطن سے بہت دور جا نکلے ہیں اور بھوک سے بے چین ہیں، اس عقلمند نے انہیں مشورہ دیا کہ دیکھو تمہارے سامنے ہاتھی کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، ان کا شکار ہرگز مت کرنا کہ ہاتھی کہیں گیا ہوا ہے وہ واپس آ کر تمہیں زندہ نہ چھوڑے گا۔ میری نصیحت کو غور سے سن لو۔ لیکن بھوک کے سبب ان سے صبر نہ ہوا اور انہوں نے ایک بچہ ہاتھی کا پکڑا ذبح کر کے اس کے کباب بنا کر کھائے۔

اس عقلمند نے کہا: کاش! تم لوگ اس جنگل کی گھاس کھا لیتے لیکن اس فعل سے احتیاط کرتے! اب اس کا انجام بھی تم لوگ دیکھ لو گے۔

اس گروہ کے ایک شخص نے اس عقلمند فقیر کی نصیحت پر عمل کیا اور اپنا پیٹ ہاتھی کے بچے کے گوشت سے محفوظ رکھا اور کچھ پتے اور گھاس کھا کر اس گروہ سے دور سو گیا۔ کیونکہ اس نے سوچا کہ ظالموں کے ساتھ رہ کر میں بھی انہیں میں شمار ہو جاؤں گا اور ہاتھی مجھے بھی نہ چھوڑے گا۔

تھوڑی دیر میں ہاتھی آیا اور اپنے بچے کا خون دیکھا۔ تو سمجھ گیا اور شدتِ

غضب وغصہ سے اس کی سونڈ سے آگ اور دھواں نکلنے لگا۔ پس وہ وہاں آیا جہاں یہ لوگ سوئے ہوئے تھے اور ایک آدمی کو دیکھا کہ الگ سویا ہوا ہے پہلے اسی دور سوئے ہوئے کا منہ سونگھا اور تین مرتبہ اس کے گرد چکر لگایا، مگر اس میں اپنے بچے کے گوشت کی بُو کو نہ پایا۔ اس کو بے گناہ سمجھ کر معاف کر دیا اور پھر وہ آگے بڑھا پھر اس گروہ کے پاس گیا اور ہر ایک کا منہ سونگھا اور ہر ایک کو اپنے بچے کے قتل کی پاداش میں سونڈ سے کھینچ کر دو ٹکڑے کر کے ہواؤں میں بکھیر دیا۔

مذکورہ بالا واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

اب مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اے لوگو! تم خدا کی مخلوق کی جانوں کو ہلاک کرتے ہو اور اموال کو غصب کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ بھی ان ظالموں سے خوب باخبر ہے۔

اس واقعہ کو ذکر فرما کر میرے مرشد و شیخ حضرت شاہ عبدالغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ہاتھی کو اپنی بدبختی سے چھیڑ دینا اتنا خطرناک نہیں (کیونکہ وہ اپنی تکلیف کا تحمل کر لے گا) جتنا کہ اس کے بچوں کو چھیڑنا خطرناک ہے۔ یعنی پھر وہ کیفر کردار تک پہنچا کر دم لیتا ہے۔ پھر اس مثال سے نصیحت فرمایا کرتے تھے، کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی توبہ سے معاف ہو جاتی ہے، مگر اللہ والوں کو ستانے والوں سے اللہ تعالیٰ انتقام لیتا ہے اور ان کو کیفر کردار تک پہنچاتا ہے۔

دوسروں سے دعا کی درخوست کرنے کی فضیلت

ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی کہ اے موسیٰ! مجھ کو ایسے منہ سے پکارو جس منہ سے کوئی خطا نہ ہوئی ہو۔

عرض کیا: اے ہمارے رب! ہمارے پاس ایسا منہ تو نہیں ہے۔

ارشاد ہوا کہ ہم کو دوسروں کی زبان سے پکارو یعنی دوسرے سے دعا کے لیے کہو دوسرے کی زبان سے تم نے خطا نہیں کی، اس لیے تمہارے حق میں وہ بے خطا ہے۔

یاد رہے کہ یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واسطہ سے آپ کی امت کو تعلیم دینا مقصود ہے کیونکہ امت ہی خطا کار اور گنہگار ہوتی ہے جبکہ پیغمبر تو معصوم ہوتا ہے۔ بظاہر خطاب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہے مگر در اصل آپ کی امت مخاطب ہے۔

اسی بات کو حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کا ذکر پاک ہے جب ان کا نام لوگے تو تمہارے منہ میں پاکی آجائے گی اور ناپاکی اپنا بستر باندھ کر رخصت ہوجائے گی۔ کیونکہ ہر ضد اپنی ضد سے بھاگتی ہے، جب دن اپنی روشنی کرتا ہے تو رات بھاگ جاتی ہے۔ یعنی نور کے ساتھ تاریکی جمع نہیں ہوسکتی، کیونکہ یہ اصول ہے کہ اجتماعِ ضدین محال ہے، اسی طرح اللہ کے نام کی پاکی تمہاری

ناپاکی کو دور بھگا دے گی۔

مذکورہ بالا واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ کی محبت کا راستہ طے کرنے والوں کے لیے عظیم نصیحت ہے کہ جس حال میں بھی ہوں خواہ کتنے ہی گناہوں اور برائیوں میں مبتلا ہوں، مگر اپنی گندگی اور پلیدی کے سبب اللہ تعالیٰ کے ذکر میں دیر نہ کرو اور اصلاح کا انتظار نہ کرو، بلکہ خود اصلاح بھی ذکر ہی کی برکت سے آسان ہو جائے گی، کیونکہ ذکر ہی کے نور سے گناہوں کی تاریکی کا احساس بھی ہوتا ہے کہ شے اپنے ضد ہی سے پہچانی جاتی ہے۔ چنانچہ مشاہدہ اور تجربہ ہے کہ ذاکر سے جب خطا ہوتی ہے تو فوراً اسے توبہ کی توفیق ہوتی ہے۔ کیونکہ ذکر کے نور میں گناہوں اور برائیوں کی تاریکی کا احساس فوراً ہو جاتا ہے اور ذکر کے عطر کے بعد گناہوں کی بدبو کا احساس قوی ہو جاتا ہے۔ جس سے جلد توبہ کر کے دل صاف کرنے کی توفیق ہوتی ہے۔

جیسا کہ صاف و شفاف لباس والا معمولی سی گندگی کے دھبے کو برداشت نہیں کر پاتا، جب تک دھو نہیں لیتا چین نہیں ملتا اور گندے لباس والے کو اول تو دھبہ نظر نہ آئے گا کہ پہلے ہی سے کافی دھبے ہیں۔ دوسرے یہ کہ معلوم ہو جانے پر بھی دھونے کا دل میں تقاضا نہیں ہوگا۔ انہیں مصالح کے پیش نظر اللہ والے سالکین کو پہلے ہی ذکر شروع کرا دیتے ہیں۔ اسی کی برکت سے آہستہ آہستہ سب اصلاحات شروع ہو جاتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ذکر کرنے والوں کے لیے خوشخبری کا ایک واقعہ

ایک درویش ایک رات بہت ہی اخلاص سے اللہ کا نام لے رہا تھا حتیٰ کہ اس پُرخلوص ذکر کی برکت سے اپنے منہ میں مٹھاس محسوس کر رہا تھا۔

شیطان نے اسے ورغلانے کے لیے کہا:

اے صوفی! خاموش ہو جاؤ! کیونکہ بے فائدہ ذکر کی کثرت کر رہا ہے۔ اللہ کی طرف سے تو کوئی جواب تجھے ملتا نہیں۔ پھر یک طرفہ محبت کی پینگ بڑھانے سے کیا فائدہ؟

چنانچہ شیطان کی ان پُرفریب باتوں سے اس نیک آدمی کا دل ٹوٹ گیا اور افسردہ ہو کر سو گیا اور ذکر کو ملتوی کر دیا۔

خواب میں کیا دیکھتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام تشریف لائے ہیں، اور دریافت کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کیوں چھوڑ دیا ہے؟

صوفی نے جواب دیا کہ اللہ کی طرف سے لبیک کی آواز نہیں آتی، جس سے دل میں خیال آیا کہ ہمارا ذکر قبول نہیں۔ لہٰذا میں نے بے فائدہ سمجھ کر اسے چھوڑ دیا ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام نے کہا کہ تیرے لیے اللہ نے پیغام بھیجا ہے اور فرمایا

ہے کہ میرے اس بندہ سے کہہ دو: اے میرے بندے! تیرا ''اللہ'' کہنا ہی میرا لبیک ہے، یعنی جب تیرا پہلا ''اللہ'' قبول ہوجاتا ہے، تب دوسری بار تجھے ''اللہ'' کہنے کی توفیق ہوتی ہے، لہٰذا یہ دوسری بار ''اللہ'' کہنا میری طرف سے لبیک ہے اور سنو! میرے بندے! تیرا یہ نیاز اور میرے عشق میں یہ سوز و درد سب میری طرف سے قبولیت کا پیغام ہے۔

میرے بندے! تیرا میری ذات سے خوف اور تیرا میری ذات سے عشق میرا ہی انعام ہے اور میری ہی مہربانی و محبت کی کشش ہے، لہٰذا تیرے ہر بار ''یارب'' اور ''یااللہ'' کی پکار میں میرا "لبیك" بھی شامل ہے۔ یعنی جب تو ''یااللہ'' کہتا ہے تو میری یہ لبیک کی آواز بھی وہیں موجود ہوتی ہے کہ حاضر ہوں میں اے میرے بندے! میں تمہارے قریب ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والوں کے لیے اس حکایت میں بڑی خوشخبری ہے پس ذکر کے وقت یہ تصور بھی رکھا جائے کہ ہمارا پہلا ''اللہ'' کہنا قبول ہوتا ہے جب ہماری زبان سے دوبارہ ''اللہ'' نکلتا ہے اور یہی دوبارہ ''اللہ'' نکلنا پہلے ''اللہ'' کی قبولیت کی علامت ہے۔

ذکر کرنے والوں کو مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے ذکر کی آخری سانس تک توفیق بخشیں۔ آمین۔

مذکورہ بالا واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

اس واقعہ سے یہ معلوم ہوا کہ بندے کو کبھی بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہوکر اپنے اعمال، نماز، روزہ اور ذکر و تسبیحات کو نہیں چھوڑنا چاہیے۔ اور یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ نہ معلوم اس کے یہ اعمال اللہ تعالیٰ قبول کرتے ہیں یا نہیں۔ اس واقعہ سے معلوم

ہوا کہ اعمال کی توفیق مل جانا ہی ان کی قبولیت کی علامت ہے۔

مجنوں کا لیلیٰ کی گلی کے کتے کو پیار کرنے کا واقعہ

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ مجنوں نے لیلیٰ کی گلی کے کتے کو کہیں دیکھا اور پہچان لیا کہ یہ لیلیٰ کی گلی کا کتا ہے چنانچہ فرطِ عشق میں اس کے پاؤں کو بوسہ دیا اور اسے پیار کرنا شروع کیا،

لوگوں نے یہ ماجرا دیکھ کر مجنوں کو ملامت کی اے پاگل! یہ کیا کر رہا ہے؟ ایسے نجس و ناپاک اور عیوب سے پُر جانور کو تو پیار کرتا ہے!

مجنوں نے ہنس کر جواب دیا: اعتراض کرنے والو! تم تو صرف خالی جسم ہو، تمہارا باطن عشق کے ذوق سے محروم ہے۔ میرے قلب کی کیفیت کو پہچانو! اور اس کتے کو میری آنکھوں سے دیکھو۔

ارے! دیکھ تو سہی یہ کتا میرے مولیٰ کا بنایا اور پیدا کیا ہوا ہے اور میری لیلیٰ جس کے عشق میں مَیں گرفتار ہوں، اُس کی گلی کوچہ کا چوکیدار بھی ہے۔

سنو! میرے نزدیک جو کتا لیلیٰ کی گلی میں رہتا ہے اس کے پاؤں کی خاک بڑے بڑے شیروں سے بہتر ہے۔

مجنوں نے اعتراض کرنے والوں کے سامنے مزید کھل کر اپنا موقف پیش کیا

کہ وہ کتا جو لیلیٰ کی گلی میں رہتا ہے اس کی قیمت میری نگاہ میں اس قدر ہے کہ میں شیروں کے عوض بھی اس کے ایک بال کو نہیں دے سکتا ہوں۔

اور سنو! بہت سے شیر لیلیٰ کی گلی کے کتے کے غلام ہو گئے ہیں اور چونکہ یہ راز زبان سے ظاہر نہیں کیا جا سکتا، اس لیے میں خاموش ہوتا ہوں اور السلام علیکم کہتا ہوں۔

چنانچہ یہ کہتے ہوئے مجنوں پیٹھ پھیرتے ہوئے واپس چلا گیا۔

مذکورہ بالا واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

اس واقعہ میں مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ نصیحت فرماتے ہیں: اے لوگو! اگر صورت پرستی سے تم آگے عبور کر جاؤ اور ان صورتوں کے خالق سے رابطہ قائم کرلو کہ خالق ہی حسن کا اصل سرچشمہ و مرکز ہے اسی نے پوری کائنات کو حسن تقسیم کیا ہے تو دنیا ہی سے تمہیں جنت کا لطف شروع ہو جائے اور ہر طرف گلستان ہی گلستان نظر آئے۔

اس حکایت میں یہ سبق موجود ہے کہ لیلیٰ کی محبت میں مجنوں کی تو یہ عقل و ادب ہو کہ محبوب کی گلی کا کتا بھی پیارا معلوم ہو اور مولیٰ کے عاشقوں کو مکہ شریف اور مدینہ شریف کے شہر والوں سے محبت نہ ہو! اور حج سے واپس آ کر ان حضرات کی شکایات اور اعتراضات اور وہاں کی تکلیفوں کا ذکر ہوتا ہے ایسے لوگوں کے بارے میں تو اندیشہ ہوتا ہے کہ ان کا حج بھی قبول نہیں ہے۔

ایک مسافر کی صحرا میں مجنوں سے ملاقات

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ مجنوں دریا کے کنارے صحرا میں بیٹھا انگلیوں سے ریت پر بار بار لیلیٰ لکھ رہا تھا۔ ایک صحرا کے مسافر نے یہ تماشا دیکھ کر دریافت کیا:

ارے مجنوں! یہ کیا کام کر رہے ہو؟ یہ خط کس کے لیے لکھ رہے ہو؟

مجنوں نے کہا کہ لیلیٰ کی جدائی کا غم جب ستاتا ہے تو اس کا نام بار بار لکھنا شروع کر دیتا ہوں اور اس محبوب کے نام کی مشق کر کے جدائی کے صدمے سے دو چار دل کو تسلی دیتا ہوں۔

اس واقعہ سے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نصیحت فرماتے ہیں کہ اے لوگو! لیلیٰ کا عشق مجازی تو یہ اثر دکھائے تو مولیٰ کا عشقِ حقیقی کیسے لیلیٰ کے عشق سے کم ہو سکتا ہے، مولیٰ کے لیے گیند بن جانا زیادہ بہتر ہے۔ جس طرح گیند کو ہر شخص ٹھوکر لگاتا ہے اور وہ برداشت کرتی ہے اسی طرح عشق کی راہ میں اپنے کو مٹانا پڑتا ہے۔

مذکورہ بالا واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ جب دنیا کی فانی اور ناجائز محبتوں کا حال یہ ہے کہ جدائی کی صورت میں محبوب کا نام لکھ لکھ کر تسلی حاصل کی جا رہی ہے...... اگر کوئی

خوش نصیب اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا عشقِ حقیقی حاصل کر لے تو وہ محبوب حقیقی کی یاد کے بغیر کیسے رہ سکتا ہے۔

یہ بات خوب ذہن نشین رہے کہ دنیا کی فانی محبتیں آدمی کا سکھ چین اور سکون برباد کر کے رکھ دیتی ہیں۔ اور آخرت کے عذاب کا الگ اندیشہ ہے۔

مگر اصلی محبت، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت دل کو راحت اور اطمینان بخشتی ہے۔ اور ایسے شخص کی تو دنیا بھی جنت بن جاتی ہے۔ اور دنیاوی دکھوں اور تکلیفوں کا احساس بھی کم ہو جاتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے برگزیدہ ہونے کا واقعہ

ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی کہ اے موسیٰ! ہم نے تم کو اپنا برگزیدہ بندہ بنالیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب وہ کیا خصلت ہے جس سے آپ بندوں کو اپنا برگزیدہ بناتے ہیں تا کہ میں اس خصلت میں ترقی کروں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اپنے بندہ کی یہ ادا بہت پسند آتی ہے کہ جب وہ میرے ساتھ اُس چھوٹے بچے کی طرح معاملہ کرتا ہے جو اپنی ماں کے عتاب اور غصہ پر

بجائے بھاگنے کے ماں ہی سے لپٹ جاتا ہے......

......اور جب ماں اپنے چھوٹے بچے کو طمانچہ مارتی ہے تو وہ ماں ہی کی طرف بھاگ کر اسی پر گر کر اسے مضبوط پکڑ کر چلاّتا ہے۔

......اور چھوٹا بچہ ماں کے علاوہ کسی سے مدد نہیں چاہتا حتیٰ کہ باپ کی طرف بھی توجہ نہیں کرتا اور اپنی ماں ہی کو تمام خیر اور شر کا مرکز اور سرچشمہ سمجھتا ہے۔

اے موسیٰ! (علیہ السلام) آپ کا خیال اور آپ کا تعلق بھی ہمارے ساتھ خیر و شر میں اسی طرح ہے کہ ہمارے علاوہ کسی دوسری جگہ آپ کی توجہ نہیں جاتی۔

اے موسیٰ! (علیہ السلام) آپ کے سامنے ہمارا غیر، خیر وشر اور نفع ونقصان میں ڈھیلے اور پتھر کی مانند ہے یعنی مطلق بے اثر ہے، خواہ وہ غیر بچہ ہو یا جوان ہو، یا بوڑھا ہو۔

مذکورہ بالا واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

اس واقعہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقامِ توحید بیان فرما کر مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ نصیحت فرمائی ہے کہ ہم بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا تعلق اور اعتقاد ایسی سطح پر لانے کی دعا اور سعی وتدبیر کریں جیسے ایک چھوٹا بچہ ماں پر جس قدر اعتماد کرتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ ہم کو جس حال میں رکھیں، تکلیف یا آرام، صحت یا بیماری، تنگدستی یا فراخی، خوشی اور غمی، شیریں اور تلخ، طبیعت کے موافق اور طبیعت کے خلاف، ہر قسم کے حالات میں ہم حق تعالیٰ ہی سے رجوع کریں، انہیں کی طرف بھاگیں۔ انہیں کی چوکھٹ پر پیشانی رکھیں اور گریہ وزاری وآہ وفغاں کر کے انہیں سے عافیت مانگیں اور اپنے گناہوں سے استغفار کریں اور حق تعالیٰ کے علاوہ کسی کو بھی اپنا چارہ گر اور جائے پناہ نہ سمجھیں اور اس

کے باوجود بھی وہ جس حال میں رکھیں راضی رہیں اور اَلْحَمْدُللهِ عَلٰی کُلِّ حَال کہیں۔لہٰذا جس شخص کی ایسی طبیعت بن جائے، وہ اللہ تعالیٰ کے خاص مُقرب بندوں کی فہرست میں شامل ہو جاتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کو دعوتِ اسلام پیش کرنا

ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے فرمایا کہ تو میری ایک بات مان لے اور اس کے عوض مجھ سے چار نعمتیں لے لے۔

اس پیشکش پر فرعون نے کہا کہ وہ ایک بات کیا ہے؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تو علی الاعلان اس بات کا اقرار کرلے کہ اللہ کے سوا اور کوئی خدا نہیں۔ وہ بلندی پر افلاک ،ستاروں اور پستی میں انسانوں، شیاطین، جنات، اور جانوروں کا پیدا کرنے والا ہے۔ نیز پہاڑوں، دریاؤں ،جنگلوں اور بیابانوں کا بھی خالق ہے،اس کی سلطنت غیر محدود ہے اور وہ بے نظیر و بے مثل ہے، اور وہ ہر شخص و ہر مکان کا نگہبان ہے اور عالم میں ہر جاندار کو رزق دینے والا ہے، آسمانوں اور زمینوں کا محافظ ہے، نباتات میں پھول پیدا کرنے والا ہے، آسمانوں اور زمینوں کا محافظ ہے،اور بندوں کے دلوں کی باتوں پر مطلع ہے۔سرکشوں پر حاکم اور ان

کی سرکوبی کرنے والا ہے، وہ ہر بادشاہ کا بادشاہ ہے، حکم اسی کا ہے اور وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، کوئی اس کی مزاحمت نہیں کرسکتا۔

یہ سب سن کر فرعون نے کہا کہ اچھا اس کے عوض میں وہ چار چیزیں کیا ہیں جو آپ ہم کو دیں گے تا کہ شاید ان عمدہ عمدہ وعدوں کے سبب میرے کفر کا شکنجہ ڈھیلا ہو جائے اور میرے اسلام سے سینکڑوں کے کفر کا قفل ٹوٹ جائے اور وہ لوگ مشرف بہ اسلام ہوں اور آپ کی ان باتوں سے میری شوریلی زمین میں اللہ تعالیٰ کی معرفت کا سبزہ پیدا ہو جائے۔ اے موسیٰ! (علیہ السلام) جلد اپنے وعدوں کو بیان کرو، ممکن ہے کہ میری ہدایت کا دروازہ کھل جائے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حکم الٰہی سے فرعون کو چار چیزوں کا انعام سنانا شروع کیا اور فرمایا کہ اگر تو اسلام قبول کر لے تو پہلی نعمت تجھے یہ ملے گی کہ تو ہمیشہ تندرست رہے گا اور کبھی بیمار نہ ہوگا اور تو موت کو خود طلب کرے گا، یعنی اپنے جسم میں تعلق مع اللہ کا ایسا خزانہ دیکھے گا جس کے ملنے کی توقع میں تو اپنی تمام خواہشات نفسانیہ کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے تابع کرنے کے لیے مجاہدات میں جان تک دینے کو تیار ہوگا۔ جس طرح کسی کے گھر میں خزانہ دفن ہو تو اس مدفون خزانہ کی خاطر خوشی خوشی اپنے گھر کی ویرانی کو تیار ہو جاتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے عاشقین اپنی خواہشات کے گھر کو رضائے مولیٰ اور تعلق مع اللہ کی دولت حاصل کرنے کے لیے خوشی خوشی ڈھا دینے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ مگر پھر جو دولت ملتی ہے وہ ساتوں برِ اعظموں کی بادشاہت سے بہتر ہے۔ واقعی خواہشات کے بادل کو پھاڑنے کے بعد ہی ماہتابِ حقیقی کا روشن چہرہ دیکھنے والوں کو مست کرتا ہے۔

اے فرعون! دوسری نعمت یہ ملے گی کہ تم اللہ تعالیٰ کے اخلاق کے ساتھ موصوف ہوجاؤ گے۔ جس طرح ایک کیڑے کو ہرا پتہ اپنے اندر مشغول کرکے انگور سے محروم کرتا ہے اسی طرح یہ دنیائے حقیر تجھے اپنے اندر مشغول کرکے مولائے حقیقی سے محروم کیے ہوئے ہے۔ آدمی کیڑے کی طرح اپنے جسم کو لذتیں پہنچانے میں مصروف ہوتا ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ کا فضل شاملِ حال ہوجاتا ہے تو وہ متنبہ ہوکر ان کو چھوڑ دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول ہوجاتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ اس کے رگ وریشہ میں اللہ تعالیٰ کا ذکر رما جاتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے اخلاق کے ساتھ مزین ہوجاتا ہے۔

تیسری نعمت تجھے یہ ملے گی کہ ابھی تو ایک ملک تجھے عطا ہوا ہے اور اسلام کے بعد تجھے دو ملک عطا ہوں گے، یہ ملک تو تجھے اللہ تعالیٰ کے ساتھ بغاوت کرنے کی حالت میں عطا ہوا ہے تو پھر اطاعت کی حالت میں کیا کچھ عطا ہوگا!! جس کے فضل نے تجھے تیرے ظلم کی حالت میں اس قدر دیا ہے تو اس کی عنایت وفا کی حالت میں کس درجہ ہوگی!!

اور چوتھی نعمت یہ ملے گی کہ تو جوان رہے گا اور تیرے بال ہمیشہ کالے رہیں گے اور یہ نعمتیں یعنی جوانی اور بالوں کا ہمیشہ کالا رہنا وغیرہ ہمارے نزدیک بہت حقیر نعمتیں ہیں مگر چونکہ میرا واسطہ ایک نادان بچے سے پڑا ہے اور بچوں کو یہی وعدہ پسند آتا ہے کہ اگر تو مکتب جائے گا تو تجھے اخروٹ دوں گا حالانکہ علم کی نعمت کے سامنے ایک اخروٹ کی کیا حیثیت ہے۔

ان وعدوں کو سن کر فرعون کا دل کچھ کچھ اسلام کی طرف مائل ہوا اور اس نے کہا اچھا میں اپنی اہلیہ سے مشورہ کرلوں۔ اس کے بعد وہ گھر گیا اور حضرت آسیہ رضی اللہ

عنہا سے مشورہ کیا۔

حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا نے جو مشورہ دیا وہ عجیب وغریب ہے اور مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے کس پیارے انداز سے اسے اگلے واقعہ میں بیان فرمایا ہے۔

فرعون کا اپنی اہلیہ حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا سے اپنے اسلام کے لیے مشورہ کرنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت وتبلیغ کے بعد فرعون گھر گیا اور اپنی بیوی آسیہ رضی اللہ عنہا سے یہ سارا ماجرا بیان کیا۔

حضرت آسیہ نے سارا واقعہ سن کر کہا: ارے اس وعدہ پر اپنی جان قربان کردے۔ کیونکہ کھیتی تیار ہے اور نہایت مفید ہے، اب تک جو وقت گذرا ہے، سب بے سود گذرا ہے۔

حضرت آسیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا اور زار وقطار رونے لگیں اور ان کو ایک جوش آگیا اور کہا: تجھے مبارک ہو! آفتاب تیرا تاج ہوگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تیری برائیوں کی پردہ پوشی کی اور تجھے دولتِ باطنی دینا چاہتے ہیں، گنجے کا عیب تو معمولی ٹوپی چھپا سکتی ہے مگر تیرے عیوب کو تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا تاج چھپانا چاہتا ہے۔ میرا

مشورہ تو یہ ہے کہ اے فرعون! تو مشورہ نہ کرتا۔ تجھے تو اسی مجلس میں فوراً اس دعوت کو خوشی خوشی قبول کر لینا چاہیے تھا۔ یہ بات جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پیش کی ہے یہ ایسی ویسی بات تو نہ تھی، جس میں تو مشورہ کرتا پھرتا ہے، یہ تو ایسی بات تھی کہ سورج جیسے اونچے رتبے کی مخلوق کے کان میں جا پڑتی تو وہ سر کے بل اس کو قبول کرنے کے لیے آسمان سے زمین پر آ جاتا۔ تجھے معلوم ہے کہ یہ کیا وعدہ ہے اور کیا عطا ہے!!

اے فرعون! اللہ تعالیٰ کی یہ رحمت تجھ پر ایسی ہے، جیسے ابلیس پر رحمت ہونے لگے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا معمولی کرم نہیں ہے کہ تجھ جیسے سرکش اور ظالم کو یاد فرما رہے ہیں۔ ارے! مجھے تو یہ تعجب ہے کہ اس کرم کو دیکھ کر خوشی سے تیرا پتہ کیوں نہیں پھٹ گیا اور وہ برقرار کیسے رہا۔ اگر تیرا پتہ خوشی سے پھٹ جاتا تو دونوں جہان سے تجھے حصہ مل جاتا۔ دنیا میں نیک نامی اور آخرت میں نجات عطا ہوتی۔

آسیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ساری تقریر سن کر فرعون نے کہا: اچھا! ہم اپنے وزیر ہامان سے بھی مشورہ لے لیں۔

حضرت آسیہؓ نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا کہ اس سے یہ واقعہ ہرگز بیان نہ کرو کہ وہ اس کا اہل نہیں، بھلا اندھی بڑھیا باز شاہی کی قدر کیا جانے، (اندھی بڑھیا اور شاہی باز کا واقعہ پیچھے گذر چکا ہے) لیکن فرعون نہ مانا اور ہامان سے مشورہ لیا۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نااہل کے مشیر بھی نااہل ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشیر تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تھے اور ابوجہل کا مشیر ابولہب تھا۔ ہر شخص اپنے ہم جنس سے مشورہ لینا پسند کرتا ہے۔

الغرض! فرعون نے حضرت آسیہ کی بات نہ مانی اور سارا واقعہ اپنے وزیر ہامان کے سامنے بیان کرڈالا۔ فرعون کی باتیں ہامان نے جب سنیں تو بہت اچھلا کودا اور غم سے اپنا گریبان چاک کرڈالا، اور شور مچانا اور رونا دھونا شروع کردیا، اور ٹوپی وعمامہ کو زمین پر پٹخ دیا اور واویلا کرتے ہوئے کہنے لگا: ہائے! حضور کی شان میں موسیٰ (علیہ السلام) نے ایسی گستاخی کی۔ آپ کی شان تو یہ ہے کہ تمام کائنات آپ کی مسخر ہے۔ مشرق سے مغرب تک سب آپ کے پاس خراج لاتے ہیں اور سلاطین آپ کے آستانہ کی خاک بخوشی چومتے ہیں۔ انہوں نے آپ کی سخت توہین کی۔ آپ تو خود پوری دنیا کے لیے مسجود اور معبود بنے ہیں، اور آپ ان کی بات مان کر ایک ادنیٰ غلام بننا چاہتے ہیں۔ آپ خدا ہوکر اپنے ہی بندہ کا بندہ بننے کے لیے مشورہ کرتے ہیں، میرے نزدیک تو ہزاروں آگ میں جلنا اس توہین سے بہتر ہے۔ اگر آپ کو اسلام کی دعوت قبول ہی کرنا ہے، تو ہمیں پہلے مارڈالئے تاکہ میں حضور کی یہ توہین اپنی آنکھ سے نہ دیکھوں، آپ میری گردن فوراً ماردیں، کہ میں اس منظر کو دیکھنے کی تاب نہیں رکھتا، کہ آسمان زمین بن جائے، اور خدا بندہ بن جائے یعنی ہمارے غلام ہمارے آقا بن جائیں، اور ہم ان کے غلام بن جائیں۔

یہ تکبر جو ہامان میں تھا، زہر قاتل کی طرح تھا اور اسی زہر آلود شراب سے ہامان بدمست ہوکر احمق ہوگیا تھا، اور اس ملعون کے مشورہ سے فرعون نے قبول حق سے انکار کرکے خود کو دائمی رسوائی اور عذاب کے حوالہ کردیا۔

جب فرعون ہامان کے بہکانے میں آگیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بات ماننے سے انکار کردیا، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ: ہم نے تو بہت سخاوت اور

عنایت کی تھی، مگر تیری قسمت ہی میں ہدایت نہ تھی ہم کیا کریں۔

مذکورہ بالا واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

اس واقعہ سے ہمیں کئی سبق حاصل ہوتے ہیں۔

۱- کبھی بھی خیر اور نیکی کے کم میں تاخیر نہ کریں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ شیطان روڑے اٹکا کر خیر کے اس کام سے محروم کردے۔

۲- آدمی کو چاہیے کہ وہ اپنا مُشیر اور دوست کسی مخلص اور نیک آدمی کو بنائے، تاکہ خیر کے امور میں اس کے ساتھ تعاون کرے۔

برے دوست اور غلط مشیر سے بچے۔ کیونکہ ایسے لوگ خود بھی ڈوبتے ہیں اور اپنے ساتھ والوں کو بھی لے ڈوبتے ہیں۔

۳- تکبر ایسی بیماری ہے کہ یہ آدمی کو ہمیشہ ہمیشہ کی کامیابی کے راستے سے ہٹا کرتباہی اور بربادی کی وادیوں میں دھکیل دیتا ہے۔ جیسے کہ ہامان اور فرعون اپنے تکبر کی وجہ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دنیا وآخرت میں رسوا ہوئے۔

مجنوں اور اس کی اونٹنی کا واقعہ

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ مجنوں اونٹنی پر سوار ہو کر لیلیٰ کی طرف جا رہا تھا، لیکن جب لیلیٰ کے خیال میں ڈوب کر بیخودی کی حالت ہو جاتی، تو مجنوں کے ہاتھ سے لگام کی گرفت ڈھیلی ہو جاتی، تو اونٹنی لیلیٰ کی طرف چلنے کے بجائے فوراً اپنا رخ مجنوں کے گھر کی طرف کرتی، کیونکہ اس کے گھر پر اس اونٹنی کا بچہ تھا، جس کی محبت اس کو بے چین کیے ہوئے تھی۔ جب مجنوں کو عالم بے خودی سے افاقہ ہوتا تو یہ منظر دیکھ کر سخت حیران و پریشان ہوتا کہ جہاں سے چلا تھا پھر وہاں ہی آ پہنچا اور دوبارہ اونٹنی کو لیلیٰ کے گھر کی طرف چلنے پر مجبور کرتا۔ اس طرح متعدد بار راستہ میں یہی ہوا کہ تھوڑی دیر میں لیلیٰ کا خیال اس پر غالب آتا اور بیخودی طاری ہو جاتی اور پھر اونٹنی کافی پیچھے بھاگ آتی۔ بالآخر مجنوں کو غصہ آ گیا اور اس نے کہا کہ میری لیلیٰ تو آگے ہے اور اس اونٹنی کی لیلیٰ پیچھے ہے۔ یعنی اس کے بچہ کی یاد اسے پیچھے بھاگنے پر مجبور کرتی ہے اس لیے یہ راستہ عشق کا طے نہیں ہو سکتا اور میں محبوب کی منزل تک تمام عمر نہ پہنچ سکوں گا لہٰذا جوش میں اوپر ہی سے کود پڑا اور اس کی ایک ٹانگ بھی ٹوٹ گئی۔

مجنوں نے پاؤں باندھ کر کہا کہ اب میں گیند بن جاتا ہوں اور لیلیٰ کے عشق کی

ہاکی سے لڑھکتا چلوں گا۔

مذکورہ بالا واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اب نصیحت اور نتیجہ بیان فرماتے ہیں کہ اس واقعہ سے ہم کو یہ سبق لینا چاہیے کہ لیلیٰ کی صورت میں ایک سڑنے والی لاش کی محبت میں تو مجنوں کو اس قدر ہمت اور عقل ہو اور ہم مولیٰ کے عاشقین کہلانے والوں کے لیے تو گیند بن جانا زیادہ اولیٰ ہے۔ اس لیے کہ مولیٰ کا عشق لیلیٰ کے عشق سے کیسے کم ہوسکتا ہے۔

اس وقت ہماری غفلت اور آخرت سے لاپروائی کا بڑا سبب یہی ہے کہ ہماری روح اور عقل تو خدا کی طرف چلنا چاہتی ہے لیکن ہمارا نفس دنیا کی حرص ومحبت میں مجنوں ہوکر دنیا کی طرف بھاگتا ہے۔ نفس سے ہر وقت یہی جنگ ہے، آخرت اور دنیا دو لیلیٰ سے ہمارا واسطہ پڑا ہے بس جو لیلیٰ باقی اور ہمیشہ رہنے والی ہے اس کو لے لو اور جو لیلیٰ فانی ہے اس کو چھوڑ دو۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ دنیا ترک کردو اور جنگل بھاگ جاؤ۔ یہ تو جہالت ہے بس آخرت کو دنیا پر غالب کرلو۔ یہی کافی ہے لیکن اس کی ہمت کسی اللہ والے کی محبت اور اس کی غلامی ہی سے عطا ہوتی ہے۔

دن میں چراغ لے کر پھرنے والے شخص کا واقعہ

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک شخص دن کی روشنی میں چراغ لے کر بازار کے اطراف وجوانب میں پھر رہا تھا۔

کسی شخص نے کہا کہ تجھے کیا ہوگیا ہے کہ دن کی روشنی میں چراغ کی ضرورت پیش آرہی ہے؟

اس نے کہا کہ میں ہر طرف آدمی ڈھونڈتا ہوں مجھے کوئی آدمی نہیں ملتا۔

اس نے جواب دیا کہ آدمیوں سے تو یہ بازار بھرا پڑا ہے اور تو کہتا ہے کہ مجھے کوئی آدمی نظر نہیں آرہا ہے۔

اس نے سائل کا وضاحت سے جواب دیتے ہوئے کہا کہ بازار میں کوئی مرد نہیں ہے صرف صورت مرد کی سی ہے، یہ سب روٹی اور خواہشاتِ نفسانیہ کے مارے ہوئے ہیں۔

اس نے مزید وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ اس بازار میں تو جن انسانوں کو دیکھتا ہے یہ سب خصائلِ انسانیت اور آدمیت کے خلاف ہیں، یہ آدمی نہیں ہیں، صرف آدمیت کے غلاف میں نظر آرہے ہیں۔

آدمی بننے کے لیے صفاتِ آدمیت ضروری ہیں، پھر اس نے مثال دیتے ہوئے سمجھایا دیکھو! اگر عود جو ایک خوشبودار لکڑی ہے اس میں عود کی خوشبو نہ ہو تو پھر اس میں اور عام ایندھن کی لکڑیوں میں کیا فرق ہے؟ ایسے بغیر خوشبو والے عود کو بھی ایندھن ہی کہنا چاہیے۔

اب اصل موضوع کی طرف آتے ہوئے اس نے کہا کہ آدمیت اور انسانیت گوشت اور چربی اور پوست (کھال) کا نام نہیں ہے۔ آدمیت ان صفات اور اخلاق و اعمال کا نام ہے، جس سے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے۔

اگر آدمیت صرف انسانی صورت کا نام ہو تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوجہل یکساں ہوتے، حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔

مذکورہ بالا واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

اگر اس معیار و نظریہ پر ہر شخص اپنی انسانیت اور آدمیت کا جائزہ لے تو روئے زمین پر صرف اللہ والے ہی آدمی نظر آئیں گے۔ باقی تمام دنیائے انسانیت جو صرف کھانے اور ہگنے میں اور ان مقاصد کے ذرائع اور وسائل کی ترقی میں مشغول ہے اور ''زیستن برائے خوردن'' یعنی ''جینا کھانے کے لیے'' ان کا مقصد اور مُبلغِ علم ہے۔

ان لوگوں کی بلند مقامی کی تشریح کے لیے سب سے موزوں مثال یہی سمجھ میں آتی ہے کہ جس طرح آٹے کی ایک مشین ہے، جس کے ایک سرے میں گندم ڈالتے ہیں اور دوسرے سرے سے آٹا نکالتے ہیں اور اس کا نام آٹے کی مشین رکھتے ہیں، اسی طرح زندگی کو محض کھانا اور ہگنا سمجھنے والے ایک مشین ہیں، جن کے ایک سرے میں روٹی ڈالی جاتی ہے اور دوسرے سرے سے پائخانہ نکلتا ہے تو یہ پاخانہ بنانے کی مشین ہوئے یعنی

اپنی زندگی کو صرف کھانے اور ہگنے کے لیے سمجھنا گویا اپنے آپ کو پاخانہ بنانے کی مشین قرار دینا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس احمقانہ نظریہ سے محفوظ فرمائیں۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے ان مضامین سے کہ آدمیت نام گوشت چربی اور انسانی کھال کا نہیں بلکہ رضائے الٰہی کا نام ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا جس کو حاصل ہو اور اس کی علامت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا والے اعمال اور اخلاق سے آراستہ ہو اور مولیٰ کی ناراضگی کے اعمال سے حفاظت وتقویٰ حاصل ہو، ایسا آدمی بے شک آدم والا ہے یعنی نسبت کا مفہوم اس میں موجود ہے اور آدم علیہ السلام کی خاص صفت رَبَّنَا ظَلَمْنَا تھی، یعنی اپنے قصور پر آپ طویل عمر روتے رہے حتیٰ کہ آپ کے آنسوؤں سے چھوٹے چھوٹے چشمے پیدا ہوگئے اور انہیں سے خوشبودار پھول گلاب، بیلا وغیرہ پیدا کیے گئے جیسا کہ اس کی روایت تفسیر علی مہائمی میں موجود ہے۔

چنانچہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی خاص اولاد ہیں وہ اپنے باپ کے طریقے پر اپنے رب سے اپنی خطاؤں پر رَبَّنَا ظَلَمْنَا کی آواز بلند کرتے ہیں یعنی گڑگڑا کر معافی مانگتے ہیں۔

مولانا کے اس نظریہ کے مطابق بڑے بڑے بنگلے اور کاروں والوں کا اپنے متعلق بڑے آدمی یا چھوٹے آدمی کا فیصلہ کرنا تو دوسری بات ہے اپنے بارے میں آدمی ہونا بھی مشکل نظر آئے گا۔ چنانچہ بڑا آدمی وہی ہے جس نے مولیٰ کو راضی کر رکھا ہے۔ میدان محشر میں کسی کی جوتوں سے خبر لی جارہی ہو اور وہاں کوئی کہے کہ یہ بڑے آدمی ہیں ان کے پاس دو ہزار گز کا بنگلہ اور تین کاریں اور تین فیکٹریاں تھیں تو ایسے بڑے آدمی بننے سے کیا فائدہ کہ جو پردیس (دنیا) کا رئیس ہو اور وطن آخرت اور وطنِ اصلی کا مفلس اور

قلاش ہو۔

اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اے لوگو! تم جانتے ہو کہ بڑے آدمی کون ہیں پھر فرمایا کہ بڑے آدمی اَصْحَابُ اللَّیْل اور حَمَلَةُ القرآنِ ہیں یعنی راتوں کو اٹھنے والے تہجد گذار اور وہ لوگ کہ قرآن جن کی عملی زندگی بن چکا، ہو محض زبان پر نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح آدمیت اور انسانیت کا مصداق بنادیں۔ آمین۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کی نسبت کا صحیح مفہوم اور اس کی صحیح روح ہمارے گوشت اور پوست میں داخل فرمادیں۔ آمین۔

ایک غلام اور اس کے آقا کا واقعہ

پچھلے زمانہ کی بات ہے ایک امیر کا ایک غلام بہت دیندار تھا، اس کا نام سنقر تھا، یہ امیر اپنے غلام سنقر کے ہمراہ کسی ضرورت سے جارہا تھا کہ راستے میں ایک مسجد سے اذان کی آواز سنائی دی۔ سنقر نے امیر سے کہا کہ آپ میرا انتظار کریں، میں نماز ادا کرلوں۔

سنقر مسجد گیا اور وہ رئیس تکبر کے نشے میں مست ایک دوکان پر بیٹھ کر انتظار کرنے لگا۔ اور نماز پڑھنے کے لیے مسجد نہیں گیا۔

جب امام اور تمام لوگ نماز اور ذکر سے فارغ ہو کر مسجد سے باہر آ گئے اور سنقر مسجد ہی میں رہ گیا تو رئیس نے آواز دی اور کہا:

سنقر! تو باہر کیوں نہیں آتا؟ تجھ کو کس نے مسجد میں روک لیا؟

اس غلام کو اس وقت حق تعالیٰ کا خاص قرب عطا ہو رہا تھا اور وہ مناجات اور ذکر میں مصروف تھا۔

غلام نے اندر ہی سے جواب دیا کہ اے امیر! جو ذات تجھے اندر آنے کے لیے نہیں چھوڑ رہی ہے اور تو مسجد سے باہر دوکان پر بیٹھا میرا منتظر ہے، وہی ذات مسجد سے باہر نہیں آنے دے رہی۔ اللہ تعالیٰ جسے اپنا بناتے ہیں اس کے یہی آثار و علامات ہوتے ہیں۔

مذکورہ بالا واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

اس واقعہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ بندے کو ہر وقت اللہ تعالیٰ کے فضل پر نظر رکھنی چاہیے کہ اسی کے خاص فضل اور توفیق سے نیکی کے کام کرنا آسان ہوتے ہیں۔

اور اگر اللہ تعالیٰ کا فضل شامل حال نہ ہو تو کوئی بندہ اپنی طاقت اور وسائل خرچ کر کے نیکیاں نہیں کر سکتا۔

اس لیے ہر حال میں بندہ اللہ تعالیٰ کے فضل کا طالب اور اس کی نعمتوں پر شاکر رہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک احمق سے گریز کرنے کا واقعہ

ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پہاڑ کی طرف بھاگ رہے تھے کہ آپ علیہ السلام کے ایک امتی نے بلند آواز سے پکارا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ کہاں اس طرح تشریف لے جا رہے ہیں۔ اس طرح خوف کی وجہ کیا ہے جبکہ آپ علیہ السلام کے پیچھے کوئی دشمن بھی تو نظر نہیں آتا؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے ایک احمق آدمی دیکھا ہے اس کی صحبت سے اپنے آپ کو بچانے کے لیے میں بھاگ رہا ہوں۔

اس امتی نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ علیہ السلام کیا وہ مسیحا نہیں ہیں جن کی برکت سے اندھا اور بہرا شفایاب ہو جاتا ہے؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا:

حماقت کی بیماری اللہ تعالیٰ کا قہر اور عذب ہوتا ہے جبکہ اندھا ہونا یہ قہر نہیں، آزمائش ہے۔

اور آزمائش ایسی بیماری ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی رحمت کھینچ لاتی ہے اور حماقت ایسی بیماری ہے جو قہر خداوندی کو دعوت دیتی ہے۔

مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ احمقوں سے بھاگو اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح سے گریز اختیار کرو۔ احمق کی دوستی اور اس کی صحبت سے بہت خونریزیاں ہوتی ہیں یعنی دین اور دنیا دونوں ہی کا خون ہوتا ہے۔

احمق کی صحبت و ہمنشینی سے اس لیے بھی احتراز ضروری ہے کہ جس طرح ہوا پانی کو آہستہ آہستہ جذب کر لیتی ہے اسی طرح احمق تم سے تمہاری عقل کے نور کو آہستہ آہستہ جذب کر لے گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ گریز کسی خوف کی وجہ سے نہ تھا، آپ تو فضلِ خداوندی سے معصوم اور محفوظ تھے آپ علیہ السلام نے یہ عمل امت کی تعلیم کے لیے کیا تھا۔

اس واقعہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ احمقوں کی صحبت سے ہمیشہ دور رہنا ضروری ہے اور قرآن پاک کی اصطلاح میں احمق وہ ہیں جو اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ارشادات کا مذاق اڑاتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالىٰ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ﴾ (البقرۃ)

(ترجمہ) یاد رکھو بے شک یہی ہیں بے وقوف لیکن اپنی بے وقوفی کا علم نہیں رکھتے۔

اسی غیر شعوری حماقت کے سبب یہ لوگ اپنے کو عقلائے زمانہ، دانشوروں کی جماعت اور مفکّرین وفلاسفہ کے لقب سے منسوب کرتے ہیں، حالانکہ عقل کی سب کے نزدیک تعریف انجام بینی اور نتیجہ پر نظر رکھنا ہے اور اس سے یہ لوگ خالی ہیں یعنی موت کے بعد کے انجام کی انہیں مطلق پرواہ نہیں، اسی لیے ان کے بارے میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ﴾ (سورہ الروم : ۳)

ترجمہ: ''یہ لوگ صرف دنیوی زندگی کے ٹھاٹ باٹھ کی سوچتے ہیں اور آخرت سے یہ لوگ غافل ہیں''۔

بس دنیا ہی ان کا مبلغ علم ہے ایسے لوگوں کی صحبت سے بھی بچنا چاہیے۔ اگر کسی دنیوی ضرورت سے ملنا پڑے تو بقدر ضرورت ہی ملے، ان سے دل نہ لگائے اور ان کے ساتھ دوستی کی پینگیں نہ بڑھائے۔ جیسا کہ ضرورت پر تو بیت الخلاء میں بھی ناک دبا کر بیٹھنا ہی پڑتا ہے لیکن اس سے کوئی بھی دل نہیں لگاتا، لہٰذا دنیا اور اہل دنیا سے دل نہ لگاؤ۔

آب کشتی ہلاکِ کشتی است
آب اندر زیرِ کشتی پشتی اَست

دنیا میں زندگی بسر کرنے کا طریقہ مولانا نے اس شعر میں بیان فرمادیا کہ دنیا میں اس طرح رہو جیسے کشتی پانی میں کہ پانی کشتی کی روانی کا سبب اسی وقت تک ہے جب تک وہ نیچے رہے اور کشتی میں داخل نہ ہو اور اگر پانی اندر داخل ہونے لگے تو کشتی کی ہلاکت کا آغاز بھی شروع ہو جائے گا۔ اس طرح دنیا کو آخرت کے نیچے رکھو یعنی مقصودِ آخرت رہے اور دنیا کو اس کے لیے مددگار سمجھو، لیکن اگر دنیا آخرت پر غالب آنے لگے تو سمجھ لو کہ اب یہی دنیا بجائے معین اور مفید ہونے کے تمہاری ہلاکت کا نقطۂ آغاز بن رہی ہے، اگر ابھی بھی نہ سنبھلے تو رفتہ رفتہ مکمل ہلاکت کا منہ بھی دیکھنا پڑے گا۔

دو ماہ کے بچّے کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گفتگو کرنے کا واقعہ

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ کافروں کی ایک عورت دو ماہ کا بچہ گود میں لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آزمائش اور امتحان کی غرض سے حاضر ہوئی۔ اس دو ماہ کے بچے نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کو دیکھتے ہی کہا:

یارسول اللہ! السلام علیکم ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے ہیں۔

اس کی ماں نے غصے سے کہا خبردار! خاموش! یہ گواہی تیرے کان میں کس نے سکھادی؟

بچہ نے کہا: امی اپنے سر کے اوپر تو دیکھو! وہ دیکھو حضرت جبرئیل علیہ السلام کھڑے ہوئے ہیں جو میرے لیے دلائل کے قائم مقام ہیں۔ وہ فرشتہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف سکھا رہا ہے اور کفر وشرک کے ناپاک علوم سے خلاصی ورہائی دلا رہا ہے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بچے کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

اے دودھ پیتے بچے! یہ بتا کہ تیرا نام کیا ہے اور میرے دین کی تو اطاعت کر

اور مسلمان ہو جا۔

بچے نے جواب دیا کہ میرا نام اللہ تعالیٰ کے نزدیک عبدالعزیز ہے، مگر ان تھوڑے سے ذلیل مشرکین نے میرا نام بت کے نام پر عبدالعزیٰ رکھا ہے۔

میں اس عزیٰ بُت سے پاک اور بیزار ہوں اور اس سے برأت کا اعلان کرتا ہوں، میں اس ذاتِ پاک پر قربان ہو جاؤں جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبری بخشی ہے۔

چنانچہ جنت سے اسی وقت ایسی خوشبو آئی جس نے بچے اور ماں کے دماغ کو معطّر کر دیا۔

سچ ہے کہ جس شخص کا خدا خود نگہبان ہو، پرندے بھی اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ بچہ کے ساتھ ساتھ ماں بھی ایمان و اسلام کی دولت سے مشرف ہوگئی اور اس نے اسی وقت کلمۂ شہادت پڑھ لیا۔ اور مسلمانوں کی صف میں شامل ہوگئی۔

مذکورہ بالا واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

اس واقعہ سے ہمارے پیارے نبی رحمت کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ظاہر ہوتا ہے کہ دودھ پیتے بچوں نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی شہادت دی۔

اور ان لوگوں پر افسوس صد افسوس! جو اپنے آپ کو زمانے کا عقلمند اور ہنر مند سمجھتے ہیں، اور انہوں نے سائنسی ترقی کے ذریعے دنیا کو روشنی اور قمقموں سے بھر دیا، مگر سرکارِ دوعلم صلی اللہ علیہ وسلم کے آفتابِ رسالت کو نہ پہچان سکے، جو دوپہر کے سورج سے زیادہ روشن ہیں، شاعر کے بقول ع

جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
اپنی شبِ تاریک سحر کر نہ سکا

ایک عقاب کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا موزہ لے کر اڑ جانا

رحمتِ کائنات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ وضو کے بعد موزہ پہننے کا ارادہ فرمایا، لیکن کیا دیکھتے ہیں کہ ایک عقاب اچانک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا موزہ اڑا کر لے گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حیرانی ہوئی اور رنج بھی ہوا۔ لیکن تھوڑے ہی وقفہ کے بعد دیکھا کہ عقاب نے ہوا میں بلند ہو کر موزہ کا منہ زمین کی طرف کیا جس سے ایک کالا سانپ گرا اس عمل کے بعد عقاب نے موزہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر کے عرض کیا:

اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے اسی وجہ سے یہ گستاخی کی تھی، کہ اس موزہ کے اندر سانپ گھسا ہوا تھا۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت پر مامور فرمایا ہے ورنہ اس گستاخی کی میری کیا مجال تھی، میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سراپا ادب اور آپ کا غلام ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لائے اور ارشاد فرمایا: ہم نے جس حادثہ کو باعث صدمہ سمجھا تھا، دراصل وہی وفا اور باعثِ رحمت تھا۔ چنانچہ اے عقاب! مجھے تو اس واقعہ سے پریشانی ہوئی تھی۔

عقاب نے عرض کیا کہ اس واقعہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اللہ تعالیٰ نے درسِ عبرت بنایا ہے۔

اے میرے محبوب! صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے لیے اس قصہ میں نصیحت ہے تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے ہر حکم پر راضی رہیں، اور اسی میں اپنے لیے خیر سمجھیں۔

تاکہ آئندہ کبھی بھی کوئی واقعہ آپ کی طبیعتِ مبارکہ کے خلاف پیش آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم رضا بالقضا کے عمل کو نیک گمان کے ساتھ ادا کریں۔

تاکہ اگر کوئی بلا اور آزمائش آئے تو آپ رنج نہ کریں اور کسی نقصان سے آپ غمگین نہ ہوں۔

کیونکہ وہ بلا جو آئی ہے کسی بڑی بلا کو دور کرنے والی ہے۔ اور وہ نقصان جو پیش آیا ہے، کسی بڑے نقصان اور مجبوری سے رکاوٹ بن جاتا ہے، یہ آئی ہوئی چھوٹی مصیبت کسی بڑی مصیبت سے بچانے کا ذریعہ ہے۔

اور عقاب نے مزید عاجزی ظاہر کرتے ہوئے عرض کیا: میں نے ہوا میں اڑتے ہوئے موزہ میں سانپ دیکھ لیا تو یہ میرا کمال نہیں ہے اے اللہ کے رسول! صلی اللہ علیہ وسلم! یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے نور اور روشنی کا فیضان اور عکس تھا اور حق تعالیٰ نے اس خاص حکمت کی تعلیم کے لیے اس سانپ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخفی رکھا تھا۔

مذکورہ بالا واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ کسی مصیبت سے گھبرانا نہ چاہیے اور یہ سوچنا چاہیے کہ یہ کسی بڑی مصیبت کے دور کرنے کے لیے آئی ہے۔ چنانچہ اس تصور سے اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پر رضا اور تسلیم کا اعلیٰ ترین وصف حاصل کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ اور بندہ اپنی کسی بھی تکلیف میں اس تصور سے بے صبری کا مظاہرہ کرنے سے باز رہتا ہے۔

اس تصور سے ایک فائدہ یہ بھی حاصل ہوگا کہ پہنچنے والی مصیبت کا دکھ اور درد بھی اس سے کم ہو جاتا ہے۔

ایک باندی کے عشق میں گرفتار بادشاہ کا واقعہ

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ایک بادشاہ شکار کرنے نکلا، راستے میں ایک لونڈی کے حسن پر فریفتہ ہوگیا، اور اسے خرید کر شاہی محل میں واپس آگیا۔ شکار کرنے گیا تھا مگر خود لونڈی کا شکار ہوگیا۔

یہ لونڈی پہلے ہی سمرقند کے ایک سنار (صراف) کے لڑکے پر عاشق تھی۔ بادشاہ کے یہاں آکر اس کی جدائی سے گھلنے لگی اور عشق کی بیماری سے اتنی دبلی اور لاغر ہوگئی کہ ہڈیوں پر صرف کھال باقی رہ گئی۔ بادشاہ کو اس کی یہ حالت دیکھ کر بہت غم ہوا،

چنانچہ اس نے طبیبوں کو جمع کیا۔ علاج کے لیے شاہی انعام واکرام کا وعدہ کیا اور اطبّاء سے کہا کہ: میری زندگی بچاؤ کہ اگر یہ مرگئی، تو سمجھ لو کہ میں بھی مرگیا۔ طبیبوں نے انشاء اللہ کہے بغیر دعویٰ کیا کہ ہم بہت جلد اس بیمار لونڈی کو اچھا کردیں گے۔ چنانچہ اس کی لاغری کو دور کرنے کے لیے علاج معالجہ شروع ہوا مگر...... مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی...... اوران کی ہر دوا الٹا اثر کرنے لگی۔

اس لیے کہ جب بیمار کی قضا آتی ہے تو طبیب بھی بے وقوف ہو جاتا ہے اور اس کی دوا بھی اپنے نفع میں الٹا راستہ اختیار کرتی ہے۔ چنانچہ بجائے شفاء کے الٹا نقصان پہنچاتی ہے۔

باندی کو بطورِ علاج سکنجبین دیا گیا، تو اس سے صفرا بڑھ رہا تھا اور روغن بادام بجائے فائدہ کے الٹا خشکی میں اوراضافہ کررہا تھا یعنی ہر دوا مخالف ہورہی تھی۔ علاج کا ہر طریقہ ناکارہ ثابت ہورہا تھا۔

بالآخر طبیبوں کی رسوائی ہوئی، اور وہ کچھ دعوے کررہے تھے ان کی عقل اور تکبر کا دعویٰ ٹھکانے لگ گیا، اور اپنی عاجزی اور مایوسی کا اظہار کرکے دربار سے رخصت ہوگئے۔

بادشاہ نے جب طبیبوں کی عاجزی اور مایوسی دیکھ لی، تو ننگے پاؤں مسجد کی طرف دوڑا۔

مسجد پہنچ کر محراب کی طرف دوڑا، اور سجدہ میں گر کر اس قدر رویا کہ سجدگاہ بادشاہ کے آنسوؤں سے تر ہوگئی اور اس نے روتے ہوئے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا:

اے اللہ! یہ ساری کائنات تیری ادنیٰ بخششیں ہے اور میں کیا عرض کروں جبکہ آپ ہمارے اسرار اور بھیدوں سے باخبر ہیں۔

اے وہ ذات پاک جو ہمشیہ ہماری حاجتوں کی پناہ گاہ ہے، ہم پھر سیدھے راستے سے بھٹک گئے اور آپ پر توکل نہ کیا اور علاج معالجہ میں ان شاءاللہ بھی نہ کہا۔

جب اس بادشاہ نے تہہ دل سے نالہ وفریاد کی تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا سمندر جوش میں آ گیا اور روتے روتے بادشاہ پر نیند طاری ہوگئی چنانچہ اس نے خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ فرمارہے ہیں کہ اے شخص ناامید نہ ہو۔ میں انشاءاللہ تعالیٰ اس باندی کا علاج کردوں گا۔ خواب سے بیدار ہوتے ہی بادشاہ نے اپنے قلب کو مطمئن اور مسرور پایا اور ان بزرگ کا منتظر تھا کہ اچانک وہ تشریف لائے، بادشاہ آگے بڑھا اور دوڑ کر ان بزرگ کا بصد احترام استقبال کیا۔ اس کے بعد اس شیخ کامل نے اس لونڈی کا قارورہ دیکھا اور نبض دیکھی۔ نبض پر ہاتھ رکھ کر ہر شہر کا نام لینا شروع کیا۔ جب سمرقند کا نام لیا تو اس کی نبض کی حرکت تیز ہوگئی۔ شیخ نے سمجھ لیا کہ سمرقند میں یہ کسی کی محبت میں مبتلا ہو کر بیمار ہے۔ بیماری کچھ تھی اور علاج کچھ ہو رہا تھا۔

پھر شیخ کامل نے کسی طرح اس لونڈی سے راز معلوم کر لیا کہ وہ سمرقند کے ایک زرگر پر عاشق ہے، شیخ نے بادشاہ کو حکم دیا کہ وہ اس کو حاضر کرے۔ چنانچہ اسے دنیاوی دولت کی لالچ پر طلب کیا گیا اور چونکہ شیخِ کامل، طبیبِ کامل بھی تھے، انہوں نے اس شخص کو ایسی دوائیں دیں جس سے اس شخص کا حسن جاتا رہا اور اس لونڈی کے سامنے پھر اس کو پیش کیا چونکہ اس کی صورت کافی بری اور مکروہ ہو چکی تھی اسے دیکھتے ہی لونڈی کا عشق جاتا رہا اور وہ اس کے عشق کی بیماری سے شفاء پا گئی اور تندرست ہونے لگی اور کچھ ہی دن میں بالکل صحت یاب ہوگئی۔

چونکہ اس لونڈی کی بیماری محض صورت پرستی تھی اس لیے صورت کے بگڑنے

سے آہستہ آہستہ عشق بھی زائل ہوگیا اور شفاء پا گئی۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حقیقت ہے کہ جو عشق صرف رنگ و روپ کی خاطر ہوتا ہے وہ دراصل عشق نہیں ہے بلکہ فسق (اللہ تعالیٰ کی نافرمانی) ہے اور اس کا انجام شرمندگی اور رسوائی کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔

کیونکہ مرنے والوں کا عشق پائیدار نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ محبوب جب فانی ہے اور اس نے مرجانا ہے تو فانی چیز کا عشق بھی فانی ہوتا ہے۔

جبکہ اللہ تعالیٰ جو ہمیشہ زندہ ہیں اور فنا سے پاک ہیں ان کی ذات کے ساتھ عشق بھی ہمیشہ رہنے والا اور ہمیشہ غنچہ اور پھول سے بھی زیادہ تروتازہ رہتا ہے۔

مذکورہ بالا واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

اب مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اس واقعہ کے بعد کھل کر نصیحت فرماتے ہیں کہ اے اللہ تعالیٰ کے طالب! اس زندہ (محبوب حقیقی) کا عشق اختیار کر، کہ جو ہمیشہ باقی رہنے والا ہے، اور جو محبت و معرفت کی روح افزا پاک شراب پلانے والا ہے۔

اور تو مایوسی سے یہ بات مت کہہ کہ اس محبوب حقیقی تک مجھ جیسے نالائقوں کی کیسے رسائی ہوسکتی ہے!! کیونکہ وہ بڑے کریم ہیں اور کریم کے نزدیک ایسے کام دشوار نہیں ہوتے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے، کہ جو بندہ میری طرف ایک بالشت کی مقدار قریب آتا ہے، میں اس کی طرف گز کی مقدار قریب ہوجاتا ہوں۔

الغرض اس کے عشق و محبت کا دروازہ ہر وقت کھلا ہوا ہے۔ جو چاہے داخل ہو اور اس کا تقرب حاصل کرے۔

مرشدنا و مولانا عارف باللہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب فرماتے ہیں:

یہ قصہ ہم سب لوگوں کے حال کے عین مطابق ہے چنانچہ ہماری روح کو نفس پر بادشاہ بنایا گیا ہے تاکہ روح نفس سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے مطابق کام لے کر جنت کا انعام حاصل کرے، مگر نفس جو روح کی لونڈی ہے۔ وہ دنیوی لذّتوں پر عاشق ہے جس کے سبب روح کی اطاعت سے منہ موڑتی ہے اور عموماً اس ماحول اور اس معاشرہ کے اطباء ناقص ہیں جو اس کے علاج پر قادر نہیں، پس شیخ کامل کی ضرورت ہے جو حسن تدبیر سے دنیوی لذّتوں کو نفس کی نظر میں بدصورت کردے، پھر نفس کے لیے روح کی تابعداری یعنی اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے کاموں پر چلنا آسان ہوجائے گا۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایک عورت کے رونے کا واقعہ

ایک عورت کے بچے زندہ نہ رہتے تھے، چھ ماہ بعد ان کو کسی بیماری کے سبب موت آجاتی۔ اس طرح سے اس بے چاری ماں کے بیس بچے قبرستان پہنچ گئے۔

اس کے بیس بچے قبر میں یکے بعد دیگرے چلے جانے سے اس کے غم کی آگ اس کی جان میں بھڑک اٹھی۔

چنانچہ غم کی ماری ہوئی آدھی رات کو اٹھی اور اپنے رب کے سامنے سجدہ میں خوب روئی اور اپنا غم اور اپنے جگر کا خون آنسوؤں کی صورت میں مناجات میں پیش کیا، اس کے بعد سوگئی۔ خواب میں دیکھا کہ وہ جنت میں سیر کررہی ہے اور اس نے وہاں ایک عالیشان محل دیکھا جس پر اس کا نام لکھا تھا اور جنت کے باغات و تجلّیات سے یہ عورت

خوش اور بیخود ہوگئی۔

اس کے بعد فرشتوں نے اس سے کہا کہ اے عورت! یہ نعمت بڑی بڑی عبادتوں اور محنتوں سے ملتی ہے لیکن تو کاہل تھی اور عبادات سے اس مقام کو نہ پاسکتی تھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے تجھے یہ مصیبت دے دی ہے جس پر صبر کے عوض تجھے یہ جنت اور محل دیا ہے پھر اس عورت نے خواب میں وہاں اپنے بچوں کو دیکھا۔

اس عورت نے کہا: اے اللہ! یہ بچے میری نگاہوں سے اوجھل ہو گئے تھے مگر تیری نگاہ سے غائب نہ ہوئے۔ یہاں تو سب موجود ہیں۔

اس کو خواب میں اس قدر خوشی اور تسلی ہوئی کہ جوش میں آ کر کہنے لگی: اے میرے رب! اگر تو مجھے دنیا میں سینکڑوں سال اسی طرح رکھے جس طرح میں اب ہوں تو کچھ بھی غم نہیں، بلکہ اس سے بھی زیادہ تو میرا خون بہا دے تو بھی میں راضی ہوں کہ یہ انعامات جو آپ نے عطا فرمائے ہیں، یہ تو میرے صبر سے کہیں زیادہ ہیں۔

مذکورہ بالا واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

اس واقعہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ مومن آدمی کو کبھی بھی کسی مصیبت پر اپنا دل چھوٹا نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ مومن آدمی کو پہنچنے والا کوئی غم بھی رائیگاں نہیں جاتا بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا بڑا ثواب ملتا ہے۔

ایک بچّے کو اس کی ماں کے سامنے آگ میں ڈالے جانے کا واقعہ

ایک یہودی بادشاہ نے ایک عورت سے کہا کہ اس بت کو سجدہ کرو، ورنہ تجھے دہکتی آگ میں ڈال دوں گا۔

وہ عورت چونکہ ایمان اور توحید میں بڑی مضبوط تھی۔ لہٰذا اس نے بادشاہ کے کہنے کی مطابق پرواہ نہ کی اور بت کو سجدہ نہ کیا۔

ظالم بادشاہ نے اس کی گود سے بچہ چھین کر اسی آگ میں پھینک دیا۔ عورت یہ منظر دیکھ کر کانپ اٹھی کیونکہ اس کے ایمان کا سخت امتحان ہو رہا تھا۔ اس واقعے سے عورت کا دل قریب تھا کہ پھٹ جائے۔ اچانک وہی بچہ آگ کے اندر سے بولتا ہے۔ کہ میں مرا نہیں، میں تو زندہ ہوں۔

امّی! آپ بھی اندر آئیں، کیونکہ میں یہاں بہت لطف میں ہوں، اگر چہ بظاہر آگ کے اندر معلوم ہوتا ہوں لیکن یہاں بڑا مزہ ہے۔

امّی! اندر آجائیں تاکہ آپ بھی اللہ تعالیٰ کے دینِ حق کا معجزہ دیکھ لیں، اور تاکہ آپ بھی اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کا عیش و آرام دیکھ لیں، اگر چہ بظاہر وہ اہل

دنیا کی نظر میں بلاؤں میں معلوم ہوتے ہیں۔

میری امّی ! آپ بھی اندر آ جائیں تا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے نمرود کی آگ کے گلزار ہونے کا راز آپ بھی آنکھوں سے دیکھ لیں، کہ کس طرح انہوں نے آگ کے اندر گلاب اور چنبیلی کی بہار پائی تھی۔

امّی جان ! میں جب تجھ سے پیدا ہو رہا تھا تو اپنی موت دیکھ رہا تھا اور دنیا میں آنے سے سخت خوف محسوس کر رہا تھا کیونکہ ماں پیٹ میں نو ماہ تک رہنے سے اس جگہ سے انسیت ہو گئی تھی، وہی پیٹ کی جگہ مجھے جہاں معلوم ہو رہا تھا، اور اس دنیا کے جہان کو دیکھا ہی نہ تھا، اس لیے ایک اجنبی عالَم میں آتے ہوئے ہچکچا رہا تھا۔

لیکن امّی ! جب میں پیدا ہو گیا تو تنگ قید خانے سے نجات پا گیا اور پھر میں ایک خوبصورت عالَم یعنی دنیا میں آ گیا۔ اسی طرح اب دنیا کے بعد جنت کو دیکھنے کے بعد دنیا ماں کے پیٹ کی طرح تنگ و تاریک معلوم ہو رہی ہے۔

میری امّی ! آگ میں کود آؤ ! میںؔ تجھے ماں ہونے کا واسطہ دیتا ہوں، اندر چلی آؤ، اور دیکھ لو یہ آگ آگ کا اثر نہیں رکھتی ہے، رحمتِ الٰہی نے اس کو چمن بنا دیا ہے۔

میری امّی ! آپ نے سیاہ کار یہودی کتّے کی طاقت بھی دیکھ لی، اب اندر آ کر خدا کے فضل کی طاقت کا بھی مشاہدہ کر لیجیے۔

امّی جان ! اندر آ جائیے اور دوسروں کو بھی بلا لیجیے کیونکہ میرے رب نے آگ کے اندر اپنے کرم کا دستر خوان بچھایا ہوا ہے۔

اب وہ بچہ اپنی امّی کو اللہ کی رحمتیں بتلانے کے بعد تمام ایمان والوں کو خطاب کرتا ہے:

اے مسلمانو! سب اندر چلے آؤ، دین کی مٹھاس اور حلاوت کے مقابلے میں ساری دنیا کی تمام حلاوتیں اور لذّتیں ہیچ ہیں اور عذاب ہیں۔

اس لڑکے کی ماں نے جذبۂ شہادت سے سرشار ہوکر اپنے آپ کو اسی آگ میں ڈال دیا تو اس محبت والے لڑکے نے اپنی ماں کا ہاتھ پکڑ لیا۔

اس کے بعد تمام مومنین اس آگ میں کود پڑے، اور سب نے اللہ تعالیٰ کے لطف وکرم کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا۔

وہ یہودی بادشاہ رسوا اور بہت شرمندہ ہوا اور اس کی تدبیر اس کے لیے مخالف ثابت ہوئی۔ کیونکہ لوگ اس آگ میں کود پڑنے کے مشتاق ہوگئے، اور انہوں نے قربانی دے کر عقیدہ توحید کی سچائی کو ثابت کردیا۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اسی طرح نالائق لوگ جو کچھ بدنامی و رسوائی کا داغ اللہ والوں کے چہروں پر لگانا چاہتے ہیں، وہ سب انہیں کے چہروں پر الٹ کر تہہ بہ تہہ جم جاتا ہے۔

اس یہودی بادشاہ نے جب حیران کن ماجرا دیکھا، تو اس آگ سے کہا کہ تجھے کیا ہوگیا ہے، کہ تو اپنے پرستش کرنے والوں پر بھی رحم نہیں کرتی، اور ان فرزندانِ توحید کو اپنے دامن میں پناہ دے کر مجھے رسوا کررہی ہے، یا تجھ پر کسی نے جادو کردیا ہے؟ یہ بات کیا ہے، تیری وہ خاصیت جلانے والی کہاں چلی گئی؟

آگ نے جواب دیا: اے کافر! میں وہی آگ ہوں، ذرا تو اندر آجا، تاکہ میری آتش اور تپش کا مزہ چکھ لے۔

سنو! میری طبیعت اور میری اصل حقیقت تبدیل نہیں ہوئی ہے، میں اللہ تعالیٰ

کی تلوار ہوں، لیکن اجازت ہی سے کاٹتی ہوں۔

اس واقعہ کے بعد اب مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ عام نصیحت فرماتے ہیں:

اس لیے جب تم اپنے اندر غم محسوس کرو تو اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کرو، کیونکہ غم بھی اللہ کے حکم ہی سے اپنا کام کرتا ہے، اور جب اللہ تعالیٰ استغفار کی برکت سے راضی ہو جائیں گے تو سزا بھی ہٹا لیں گے۔

جب اللہ کا حکم ہو جاتا ہے، تو خود غم ہی خوشی بن جاتا ہے، اور خود قید ہی آزادی بن جاتی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ تمام چیزوں کے تبدیل کرنے پر پر قدرۃ کاملہ رکھتے ہیں، لہٰذا عینِ غم کو عین خوشی بنا دیتے ہیں۔

دیکھو! ہوا، مٹی، پانی اور آگ سب اللہ تعالیٰ کے غلام ہیں، گویا ہمارے تمہارے لیے بے جان ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کے سامنے زندہ ہیں، اس لیے ان کا اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری کرنا کچھ بھی بعید نہیں ہے۔

مذکورہ بالا واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ اپنے عقیدہ اور ایمان کی حفاظت اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل میں اگر جان بھی چلی جائے تو دریغ نہ کرنا چاہیے، کیونکہ اس دنیا کی زندگی کے بعد اللہ تعالیٰ اس تکلیف اور مشقت کے عوض ایسی نعمتیں عطا فرمائیں گے، کہ دنیا کی اس تکلیف کا احساس کچھ بھی باقی نہ رہے گا۔

معصوم بچے اور اس کی ماں کے واقعہ سے ہم تمام لوگوں کو سبق حاصل کرنا چاہیے، کہ ہم اللہ تعالیٰ کی رضا اور اتنی عظیم جنت کی خاطر جان تو کیا اپنے نفس کی بُری خواہش کو بھی قربان نہیں کرتے۔ افسوس صد افسوس ہماری حالت پر!! کہ ہم جوانوں سے

وہ معصوم بچہ اور اس کی کمزور ماں ہی سبقت حاصل کر گئی......اور ہم اپنے نفس کی بُری خواہشات کو پورا کرنے میں زندگی برباد کر رہے ہیں۔

حضرت ھود علیہ السلام کی قوم پر ہوا کے عذاب کا واقعہ

حضرت ہود علیہ السلام کی قوم پر جب تیز ہوا اور آندھی کا عذاب آیا تو آپ علیہ السلام نے اہل ایمان کے گرد ایک دائرہ کھینچ دیا۔ جب ہوا وہاں پہنچتی تو خود بخود نرم ہو جاتی۔ جو لوگ اس خط کے باہر تھے، ہوا ان سب کے پرخچے اڑا دیتی تھی۔

اسی طرح حضرت شیبان راعی رحمۃ اللہ علیہ بکریوں کے ریوڑ کے گرد ایک نمایاں دائرہ کھینچ کر جمعہ کی نماز کے لیے چلے جاتے تھے، تاکہ بکریوں کو کوئی بھیڑیا اٹھا کر نہ لے جائے۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسی طرح موت کی ہوا اللہ والوں پر نسیم چمن کی طرح نرم و خوشگوار ہو کر چلتی ہے۔

جس طرح آگ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کوئی ضرر نہ پہنچایا۔ وہ اللہ کے مقبول تھے، تو انہیں تکلیف دینے کی آگ کو کیونکر ہمت ہو سکتی تھی۔

اسی طرح شہوت کی آگ اہلِ دین کو نہیں جلاتی، اور بے دین لوگوں کو دوزخ میں پہنچا کر چھوڑتی ہے۔

ایک مچھّر کا حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں فریاد کرنا

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ایک مچھر نے اپنا مقدمہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے روبرو پیش کیا اور عرض کیا کہ اے وہ ذات گرامی! جس کی سلطنت جن وانس اور ہوا پر ہے میری مصیبت دور کر دیجیے اور میرا فیصلہ کیجیے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے دریافت کیا کہ اے انصاف ڈھونڈنے والے! تو کس سے اپنا انصاف چاہتا ہے؟

مچھر نے کہا کہ میرا درد وغم ہوا کی طرف سے ہے، اور وہی دونوں ہاتھوں سے مجھ پر ظلم کرتی ہے، یعنی جب میں خون چوسنے کی کوشش کرتا ہوں تو ہوا مجھے وہاں سے اڑا دیتی ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اے مچھر! مجھے خدا نے حکم دیا ہے کہ کوئی فیصلہ اس وقت تک نہ کروں جب تک دونوں فریق حاضر نہ ہوں۔

مچھر نے کہا کہ بے شک آپ درست فرماتے ہیں۔

اس کے بعد آپ علیہ السلام نے ہوا کو حکم دیا کہ وہ دربار میں جلد حاضر ہو کیونکہ

تیرے خلاف ایک مقدمہ دائر ہوا ہے۔

ہوا حکم سنتے ہی تیز رفتاری سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے روبرو حاضر ہوگئی اور مچھر اس ہوا کی تیزی سے پھر راہِ فرار پر بے اختیار مجبور ہوگیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ: اے مچھر ٹھہر جا کدھر جارہا ہے؟ رک جاتا کہ میں دونوں کا فیصلہ کردوں۔

مچھر نے کہا اے بادشاہ سلامت! میری موت ہوا ہی کے وجود سے ہے اس کے دھواں سے تو میرا دن سیاہ ہوجاتا ہے۔

ہوا جب آئی تو مجھے اس جگہ قرار نہ رہا کیونکہ وہ مجھے ہلاک کرنے کے لیے میری جگہ سے مجھ کو اکھاڑ پھینکتی ہے۔

مذکورہ بالا واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ اگر ہمارے قبول میں عشقِ الٰہی کی ہوا چل پڑے، اور دلوں میں ایمانی بہار آجائے، تو شیطانی خیالات ونظریات خودبخود اس جگہ سے فرار ہوجائیں گے۔

محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی میں رونے والے ستون کا واقعہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھجور کے ایک خشک تنے کے ساتھ ٹیک لگا کر مسجد نبوی میں خطبہ دیا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے باقاعدہ بڑھئی سے لکڑی کا منبر تیار کروایا گیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خشک تنے کو چھوڑ کر اس منبر پر خطبہ دینا شروع فرمایا: تو اس صدمہ سے کہ اب مجھ پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دینے کے لیے ٹیک نہ لگائیں گے، اس نے اس طرح رونا شروع کیا، جس طرح چھوٹا بچہ ماں کی جدائی میں روتے ہوئے سسکیاں لیتا ہے۔ اس واقعہ کو مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کس پیارے انداز سے بیان فرماتے ہیں:

وہ منبر جس کا نام اسطوانہ حنانہ تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی سے نالہ کر رہا تھا جیسے کہ وہ کوئی عقل والا انسان ہو۔

اس کی آوازِ گریہ سے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم تعجب اور حیرت میں پڑ گئے کہ یہ ستون اتنا بڑا طویل وعریض ہو کر کس طرح رو رہا ہے!!

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ اے ستون تو کیا چاہتا ہے؟ اس

نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کی جدائی کے صدمہ سے میری جان خون ہو رہی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی سے مری جان اندر ہی اندر جل رہی ہے، پھر اس آتش غم کے ہوتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق سے میں کیوں نہ آہ وفغاں کروں، کیونکہ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہی تو جانِ کائنات ہیں۔

میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مسند تھا، آپ مجھ سے ٹیک لگاتے تھے، آپ مجھ سے الگ ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری جگہ دوسرا منبر پسند فرمالیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے مبارک ستون! اگر تو چاہتا ہے تو تیرے لیے دعا کر دوں کہ تو سر سبز و شاداب اور ہمیشہ پھل دار درخت ہو جائے اور تیرے پھلوں سے ہر مشرق و مغرب میں رہنے والا مستفید ہو۔ یا تو عالَمِ آخرت جنت میں رہنا چاہتا ہے اور تو ہمیشہ کے لیے تر و تازہ ہونا چاہتا ہے۔

اسطوانہ حنّانہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم میں تو دائمی اور ابدی نعمت چاہتا ہوں۔

اب مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نصیحت فرماتے ہیں کہ اے غافلو! سن لو! تم کو اس لکڑی سے سبق لینا چاہیے، کہ انسان ہو کر تم دنیائے فانی پر گرویدہ اور آخرت سے روگرداں ہو رہے ہو، اور وہ اسطوانہ حنّانہ نعمت دائمی کو نعمت فانی پر ترجیح دے رہا ہے۔

پھر اس اسطوانہ حنانہ کو زمین میں دفن کر دیا گیا، تا کہ انسانوں کی طرح روز جزا اس کا حشر ہو۔

مذکورہ بالا واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

اس واقعہ سے ہمیں کئی سبق حاصل ہوتے ہیں:

(۱) ایک بے جان لکڑی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتنی معرفت و پہچان حاصل ہے، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی کے غم میں ہچکیاں باندھ کر رو رہا ہے۔ دوسری طرف ہم عقل وشعور والے، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وعشق کے دعویدار ہیں، کہ بے دریغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کو قربان کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو چھوڑ کر مغربی تہذیب وتمدن کو فلاح و بہبود کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مر مٹنے کو انتہا پسندی، شدت پسندی اور تاریک خیالی جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کے طور واطوار کو روشن خیال، اعتدال پسند اور کامیابی کا ضامن سمجھتے ہیں۔ افسوس صد افسوس ہماری حالت پر! اگر اس ستون نے بروز قیامت ہمارا گریبان پکڑ لیا تو مسلمانی کے سب پول کھل جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہماری حالت پر رحم فرمائیں۔

(۲) اس ستون نے دنیوی ترقی، ہمیشہ کے لیے پھل دار اور سبز وشاداب اور مشرق ومغرب کے انسانوں کے لیے مرکز توجہ بننے، قیامت تک حاصل ہونے والی شہرت پر آخرت، اور جنت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کو پسند کیا۔ واقعۃً وہ لکڑی کا خشک ستون بڑا عقلمند، بڑا عاشق، بڑا عارف تھا۔ اور ہم عقلمند، تعلیم یافتہ، دانشور پتھر اور لکڑی سے بھی گئے گذرے ہیں۔

کنکریوں کا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی رسالت کی گواہی دینا

ایک مرتبہ ابو جہل نے اپنے ہاتھ میں کچھ کنکریاں چھپا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ: اگر آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں، تو بتایئے کہ میرے ہاتھ میں کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو آسمانوں کی خبر دیتے ہیں۔ پس میرے ہاتھ کی خبر دینا تو آپ کے لیے معمولی بات ہوگی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں بتادوں کہ: تیرے ہاتھ میں کیا ہے، یا میرے حکم سے تیرے ہاتھ کی چیزیں خود بتادے کہ میں کون ہوں؟ اس نے کہا کہ دونوں ہی باتیں چاہتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: تیرے ہاتھ میں چھ پتھر کی کنکریاں ہیں، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے اس کے ہاتھ کا ہر پتھر کلمۂ شہادت پڑھنے لگا۔ جب ابو جہل نے کنکریوں سے کلمۂ شہادت سنی تو ان کنکریوں کو غصہ سے زمین پر دے مارا۔

جب اس معجزہ کو ابو جہل نے دیکھا تو غضب ناک ہوکر تیزی سے اپنے گھر کی

راہ لی۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: خاک پڑے اس کے سر پر کہ ملعون بالکل ہی اندھا تھا اور اس کی آنکھیں ابلیس لعین کی طرح صرف خاک بیں تھیں، جس طرح ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کو صرف خاکی پتلا سمجھا تھا اور آپ علیہ السلام کی روح پاک سے جو نبوت سے آراستہ تھی بے خبر رہا۔ اسی طرح یہ ابوجہل بھی رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت سے بے خبر رہا۔

کتّے کی موت پر رونے والے ایک شخص کا واقعہ

ایک دفعہ کا ذکر ہے ایک کتا بھوک کی وجہ سے مر رہا تھا، اور قریب ہی ایک شخص جو اس کا پالنے والا تھا، اس کتے کے مرنے کی وجہ سے رو رہا تھا۔ کسی نے دریافت کیا کہ تم کیوں رو رہے ہو؟

اس نے کہا کہ یہ کتا بڑے بڑے اوصاف مالک ہے اور اب بھوک سے مر رہا ہے۔

اس نے دریافت کیا کہ: تمہارے سر پر یہ کس چیز کا ٹوکرا ہے؟

جواب دیا کہ اس میں روٹیاں ہیں، جو میرے سفر کا کھانا ہے۔

اس شخص نے کہا کہ ظالم! کتے کو اپنے توشۂ سفر میں سے تھوڑی سی روٹی کیوں

نہیں کھلاتا؟؟

اس نے جواب دیا کہ: اس حد تک اس کی محبت مجھے نہیں ہے کہ اپنی روٹی بھی کھلادوں۔

مزید وضاحت کرتے ہوئے اس شخص نے کہا کہ روٹیاں بغیر پیسے کے نہیں ملتی ہیں اور یہ آنسو جو اس کے غم میں گرار ہا ہوں، مفت کے ہیں۔ اس پر میرا کچھ بھی خرچ نہیں ہورہا۔

اس شخص نے کتے کے مالک کو کوستے ہوئے کہا کہ: خاک پڑے تیرے سر پر، کہ روٹی کا ٹکڑا تیرے نزدیک رونے اور آنسو بہانے سے بہتر ہے۔

ارے ظالم! آنسو تو دراصل خون ہوتا ہے، جو غم اور صدمہ سے پانی بن جاتا ہے۔ لہٰذا اے بے وقوف! خون کی قیمت خاک کے برابر کیسے ہوسکتی ہے۔ روٹی جو گندم سے بنتی ہے، گندم زمین ہی سے تو پیدا ہوتا ہے۔

اب مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اس واقعہ کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اے لوگو! تم نے ایک قسم آنسوؤں کی ابھی دیکھی جو روٹیوں سے بھی کمتر ہے اور اب اولیائے پاک کے آنسوؤں کا مقام سنو کہ جب ہمارا مرشد حضرت شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ، اللہ کے خوف میں روتا ہے، تو اس کے اخلاص و درد کی تاثیر سے آسمان بھی رونے لگتا ہے، اور جب ہمارا مرشد عشق حقیقی کی آگ کے ساتھ سے نالہ وفغاں کرتا ہے، تو فلک بھی لرزہ بر اندام ہوکر یاربّ! یاربّ! کرنے لگتا ہے۔

ایاز کی دانائی کا عجیب واقعہ

بادشاہ محمود غزنوی کے ایک مُقرب درباری غلام ایاز نے ایک کمرہ تعمیر کیا، اور اس میں اپنی گدڑی اور پرانی پوستین لٹکا دی۔ اس کمرہ کو تالا لگا کر رکھتا تھا، اور تنہا جا کر کبھی کبھی اپنی پھٹی پرانی گدڑی اور پوستین کو دیکھ کر رویا کرتا اور کہتا:

اے اللہ! میں ایک غریب خاندان کا لڑکا تھا، اور اس پھٹی حالت میں تھا، کہ میرا لباس یہ تھا، کہ جسے آج میں حیا وشرم سے تالے میں رکھتا ہوں، یعنی دوسروں کے سامنے پہننا تو درکنار دوسروں کو دکھانا، اور دوسروں کے علم میں لانا بھی اپنی توہین اور عار سمجھتا ہوں۔

چنانچہ اس طرح کی باتوں سے اپنے کو سمجھایا کرتا تھا کہ اے ایاز! تو اب بارگاہِ سلطان کا مقرّب ہے اس شان وشوکت پر ناز نہ کرنا، کہ تیری حقیقت صرف یہی پوستین اور گدڑی ہے۔

عمائدین اور وزراء اس راز سے بے خبر تھے وہ ایاز کو اس حجرہ کی طرف آتے دیکھتے، اور طرح طرح کی قیاس آرائیاں کرتے۔

ایک دن تمام اراکین سلطنت جمع ہو کر تبادلۂ خیال کرنے لگے، کہ ایاز تنہا اس

کمرہ میں کیوں جاتا ہے، اوراس کوتالا لگا کر بھی رکھتا ہے، اس وزنی اور مضبوط تالے کی کیا ضرورت ہے۔ بادشاہ محمود اس کو عاشق اور درویش سمجھتا ہے، اور یہ بادشاہ کی دولت اس حجرہ میں چھپارہا ہے۔ اگر اس دفینہ کی خبر بادشاہ کو کردی جائے تو دو فائدے حاصل ہوں، ایک تو یہ کہ ایاز کا قرب ختم ہوجائے گا، دوسرے یہ کہ بادشاہ کو جب دفینہ مل جائے گا، تو ہم لوگوں کو انعام بھی ملے گا۔ چنانچہ یہ مشورہ طے پایا کہ بادشاہ محمود غزنوی کو اطلاع کی جائے۔

چنانچہ عمائدین سلطنت کے ایک وفد نے بادشاہ سے کہا کہ: ایاز کے پاس ایک کمرہ ہے اس کے اندر سونا چاندی اور خزانہ شاہی ہے۔ اور وہ کسی کو اس کمرے میں جانے کی اجازت نہیں دیتا، ہمیشہ اس کے دروازہ کو تالہ لگا کر رکھتا ہے۔

بادشاہ نے یہ سن کر ان لوگوں سے کہا کہ اچھا! آج ہم آدھی رات کو اس کمرے کا معائنہ کریں گے، اور چھاپہ ماریں گے۔ اور تم سب مل کر ہمارے ساتھ رہنا۔ جو کچھ اس میں سے دولت ملے ہماری طرف سے وہ سب تم لوگ تقسیم کر لینا۔

اور بادشاہ نے مصنوعی مایوسی کا اظہار کرتے ہوئے کہا: افسوس ہے ایاز پر کہ اس قدر عزت واکرام والطاف شاہی میسر ہوتے ہوئے ایسی ذلیل حرکت کہ خفیہ طور پر سونا چاندی جمع کر رہا ہے۔ جو شخص عشق سے زندگی پا چکا ہو، اس کے لیے بندگی کے علاوہ غیر اللہ میں مشغول ہونا، اور اس کی فکر کرنا بڑی ناشکری ہے۔

بادشاہ کو تو پہلے ہی سے ایاز کی مخلصانہ محبت پر مکمل اعتماد تھا، لیکن بادشاہ ان عمائدین سے مذاق کر رہا تھا۔

آخر آدھی رات کو جب کمرہ کھولا گیا لیکن اراکین سلطنت نے وہاں کچھ نہ پایا،

تو کہنے لگے کہ زمین کے اندر دفینہ ہوگا، لہٰذا کمرہ کے اندر کھدائی کی گئی، پھر بھی کچھ نہ نکلا۔

سب لوگ سخت حیران ہوئے کہ اب بادشاہ سے کس طرح معذرت کریں اور اس الزام تراشی کی پاداش سے اپنی جان کو کس طرح چھڑائیں۔

بالآخر ناامیدی سے یہ سب لوگ اپنے پورے لب چبا رہے تھے اور اپنے سروں پر عورتوں کی طرح ہاتھ رکھے ہوئے شرمسار کھڑے تھے۔

کمرہ کی تلاشی کے بعد بادشاہ کے سامنے سب حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ ہم سے غلطی ہوئی، ہم نے بدگمانی کی اور ایاز پر الزام لگایا۔ اب حضور جو سزا بھی دیں ہم اس کے مستحق ہیں لیکن اگر آپ ہم کو معاف کر دیں تو آپ کی عنایت ہوگی۔

بادشاہ نے کہا کہ جو فیصلہ ایاز کریں گے وہی فیصلہ ہمارا ہوگا، کیونکہ تم لوگوں نے ایاز کی عزت و ناموس کو داغدار کرنے کی کوشش کی ہے، لہٰذا میں اس میں کچھ فیصلہ نہ کروں گا، چنانچہ بادشاہ نے کہا:

ایاز! تم ان مجرمین پر حکم نافذ کرو کیونکہ تم اس الزام تراشی سے بالکل پاک اور صاف تھے۔

ایاز! تمہارا امتحان لینے کی وجہ سے خلقِ کثیر شرمندہ اور نادم ہے۔

ایاز نے آداب شاہی بجالاتے ہوئے کہا بادشاہ سلامت! مکمل حکمرانی آپ کو زیبا ہے، آپ کی نوازش ہے جو ایاز کو یہ عزت بخشی گئی ورنہ غلام تو غلام ہی ہے۔ آفتاب کے سامنے ستارہ کب اپنا وجود رکھتا ہے بلکہ اس کے سامنے کالعدم ہوتا ہے۔

بادشاہ سلامت! یہ سب عالی حوصلگی آپ ہی کی عطا اور آپ ہی کی صحبت کا فیضان ہے، ورنہ میں درحقیقت وہی گھٹیا درجہ کا غلام ہوں جو کہ ابتداء میں پھٹی پرانی

گدڑی اور پوستین میں حاضر ہوا تھا۔

مذکورہ بالا واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

اس واقعہ میں حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے فنائیت کی تعلیم دی ہے کہ جس طرح ایاز عطائے شاہی کے تمام انعامات کے باوجود اپنے کو عجب وتکبر سے بچانے کے لیے ہر روز اپنی پرانی گدڑی اور پوستین کو دیکھتا اور اپنے کو نصیحت کرتا اور کہتا کہ اے ایاز تیری یہی اصل حقیقت تھی، بادشاہ کے قرب سے ناز نہ کرنا۔ اسی طرح تمام انسانوں کو چاہیے کہ اپنی حقیقت پر ہمیشہ نظر رکھیں۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ کیا انسان کو یہ نہیں معلوم کہ ہم نے اس کو نطفہ سے پیدا کیا ہے۔ انسان کی اصل تخلیق باپ کے نطفہ اور ماں کے خونِ حیض سے ہوئی ہے، اس کے علاوہ انسان کو ظاہری اور باطنی جو کچھ نعمتیں عطا ہوئی ہیں وہ سب حق تعالیٰ کی عطا ہیں۔ اللہ تعالیٰ کتنے ہی اعلیٰ درجات کسی کو عطا فرما دیں مگر اپنی بنیادی حقیقت کا انسان کو بار بار دھیان دل میں رکھنا چاہیے کہ ماں کے پیٹ میں جب انسان کی تخلیق ہوتی ہے تو باپ کے نطفہ اور ماں کے خون حیض ہی سے اس کے اعضاء بنتے ہیں، پھر ان اعضاء میں دیکھنے، سننے، عقل وفہم کے خزانے کون رکھتا ہے۔

اپنی حقیقت کے تصور سے کبھی آدمی مغرور ہو کر تکبر اور خود پسندی کا شکار نہیں ہوگا۔ وگرنہ اپنی اصل حقیقت سے بے خبر انسان تکبر اور خود پسندی میں مبتلا ہو کر ہدایت اور دونوں جہانوں کی فلاح سے محروم رہ جاتا ہے۔

ایک بدعقیدہ شخص کی توبہ کا دلچسپ واقعہ

پرانے زمانے کی بات ہے کہ ایک شخص بدعقیدہ تھا، وہ یہ کہا کرتا تھا کہ بندہ مجبور محض ہے اور ذاتی طور پر اس کو کچھ اختیار نہیں۔ اس لیے خیر وشر کی کوئی ذمہ داری مجھ پر نہیں۔ ایک دن یہ ملعون ایک باغ میں پہنچا اور باغ کے مالک کی اجازت کے بغیر خوب پھل توڑ توڑ کے کھائے۔

مالک نے کہا او چور کمینے! یہ کیا کر رہا ہے؟

اس نے اپنے بُرے عقیدے کے مطابق جواب دیا کہ یہ باغ اللہ تعالیٰ کا ہے اور میں اللہ کا بندہ ہوں اور اللہ کی عطا اور نعمتوں سے کھا رہا ہوں تو کونسا گناہ ہے؟

مالک نے اس کو پہلے درخت پر رسی سے باندھا اور ایک موٹا اور مضبوط ڈنڈا لے کر اس کی پیٹھ پر رسید کرنا شروع کیا۔

اس نے کہا: اے ظالم! مجھ بے گناہ کی اس بری طرح کیوں پٹائی کر رہا ہے اللہ سے شرم کر۔

باغ کے مالک نے چھوٹتے ہی جواب دیا کہ یہ "ڈنڈا" بھی اللہ کا ہے اور "میں" بھی اللہ کا بندہ ہوں، جو دوسرے بندہ کی پٹائی اچھی طرح کر رہا ہے۔ مجھے کچھ

اختیار نہیں، میں بھی مجبور ہوں، میرا ''ڈنڈا'' بھی مجبور ہے، دراصل یہ سب اللہ تعالیٰ کر رہا ہے۔

اس نے بڑی منت سماجت کرتے ہوئے کہا کہ اس برے عقیدہ سے میں پکی توبہ کرتا ہوں۔ بے شک اختیار ہے، اختیار ہے، اختیار ہے۔ بندہ مجبور نہیں ہے۔

مذکورہ بالا واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ بندہ کبھی وعظ و نصیحت سے حق بات قبول نہیں کرتا تو پھر اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس پر کبھی ایسی آفت اور مصیبت مسلّط ہو جاتی ہے جس سے اس کا دماغ سیدھا ہو جاتا ہے اور اس میں صحیح اور حق بات قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے، جیسے بیماری کا علاج دوا اور غذا سے نہیں ہوتا بلکہ کبھی کبھی آپریشن کے ذریعہ سے بھی شفا حاصل ہوتی ہے۔ جو اس کے بغیر ممکن نہیں تھی۔

اپنے ہاتھ پر شیر کی تصویر بنوانے والے شخص کا واقعہ

زمانۂ جاہلیت میں کسی علاقہ کے لوگ اپنے ہاتھوں پر شیر یا چیتے کی تصویر بنالیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے تصویر بنانے والے سے کہا کہ میرے ہاتھ پر شیر کی تصویر بنا دے۔ چنانچہ اس نے اس کی خواہش کی تکمیل میں جب سوئی آگ میں گرم

کر کے اس کے ہاتھ پر رکھی تو تکلیف سے اس کی چیخ نکل گئی اور کہا ارے کیا بنا تا ہے؟ اس نے کہا کہ دم بنانے لگا ہوں۔ کہنے لگا: ارے! بغیر دم کے بھی تو شیر بن سکتا ہے۔

اس مصور نے دوبارہ سوئی آگ میں گرم کی اور اس کی کھال پر رکھی۔ وہ پھر چلاّیا اور کہا: ارے! اب کیا بنا تا ہے؟ مصور نے کہا: اب کان بنا تا ہوں۔ کہنے لگا: ارے ظالم! بغیر کان کے بھی تو شیر ہوسکتا ہے۔

مصور نے پھر سوئی گرم کی اور اس کی کھال پر رکھی تو یہ پھر چیخا کہ اب کیا بنا تا ہے؟ اس نے کہا کہ اب شیر کا پیٹ بنا تا ہوں۔ اس نے کہا: رہنے بھی دے بغیر شکم ہی کے شیر بنا دے۔ اس نے کونسا کھانا کھانا ہے۔

اسی طرح جب سر بنانے سے بھی اس نے انکار کیا تو مصور نے غصہ سے جھنجلا کر سوئی پھینک دی اور کہا دور ہو! جا! نکل جا یہاں سے!

جب تو سوئی کی تکلیف کا تحمل نہیں کر سکتا تو ایسے ببّر شیر بنوانے کی بات مت کر۔

مذکورہ بالا واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اس واقعہ کے بعد نصیحت فرماتے ہیں کہ اے بھائی! استاد یا مرشد کی : بیت میں سختیوں کو جھیل لے تاکہ نفس کے کفر و فسق کے تقاضوں سے نجات پا جائے۔

اگر تو دن کی طرح روشن ہونا چاہتا ہے تو اپنی ہستی کو پہلے رات کی طرح فنا کر دے یعنی جس طرح رات کے فنا ہونے سے دن روشن ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر تو نفس کے بُرے تقاضوں کی اصلاح کسی مرشد کامل سے کرالے گا تو گویا اس کی ظلمت و تاریکی

فنا ہو جائے گی اور تیری حیات تعلّق مع اللہ کے نور سے روشن ہو جائے گی۔

اور پھر اگر تو اللہ تعالیٰ کے قرب کی شان و شوکت کا مشاہدہ اپنے باطن میں کرلے تو سارے جہان کو اس نورِ حقیقی کے سامنے مردار اور بے وقعت دیکھے گا۔

تصویر کشی اسلام میں حرام ہے لیکن مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے اس حکایت میں زمانۂ جاہلیت کا واقعہ بیان فرمایا، جس سے مقصود مولانا کا اللہ کے راستے میں چلنے والوں کو اس بات کی ہدایت دینا ہے کہ اگر مرشد کامل، متبع سنت شیخ تمہاری اصلاح کے لیے دار و گیر اور کچھ سختیاں کرے تو اس کی ہر ڈانٹ ڈپٹ کو خوشی خوشی برداشت کرلو تاکہ تمہارے اندر اعمال صالحہ اور اخلاق حمیدہ راسخ اور مضبوط ہو جائیں۔

اگر شیخ کی ہر ڈانٹ سے تمہارے سینہ میں کینہ بھر جائے تو بغیر رگڑے ہوئے کس طرح آئینہ بن سکتے ہو۔ چند دن کی تکلیف برداشت کرلو پھر دیکھنا کہ راحت ہی راحت ہے۔

اس واقعہ سے ہمیں سبق ملتا ہے اگر ہمیشہ ہمیشہ کی کامیابی اور اللہ تعالیٰ کا قرب خاص، اور جنت کی نعمتیں حاصل کرنا چاہتے ہیں تو پھر نفس کی وہ تکلیف برداشت کرنا پڑے گی جو اللہ تعالیٰ کے احکامات پورا کرنے اور حرام کاموں سے بچنے میں اس کو ہوتی ہے۔

اگر ہماری سوچ یہ ہے کہ بغیر مشقت مجاہدہ برداشت کیے، اپنی بُری خواہشوں کو قربان کیے بغیر کامیاب ہو جائیں گے اور مقصد حاصل کرلیں گے تو یہ خام خیالی ہے۔ اور شیطانی ونفسانی دھوکہ ہے۔

ایک اژدھے کے شکار کا واقعہ

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک سانپ پکڑنے والا شخص پہاڑ کی طرف گیا تو کیا دیکھتا ہے کہ برف باری سے دامنِ کوہ میں بڑے بڑے اژدہے بے حس وحرکت پڑے تھے۔

سپیرے نے دیکھا کہ سخت سردی کے موسم میں ایک اژدھا مرا ہوا ہے۔

چنانچہ اس کو اٹھا لیا اور بغداد جیسے پُر رونق شہر میں تماشے کے لیے اپنے ساتھ لے آیا۔

وہ اژدہا اپنی لمبائی اور قد و قامت کی وجہ سے ایک بڑا ستون لگ رہا تھا، سانپ والا اس کو اپنی کمائی کے لیے گھسیٹ کر لایا تھا۔

اس سپیرے نے اس کو مردہ گمان کیا حالانکہ وہ زندہ تھا، مگر سردی اور برفباری کی وجہ سے بے جان ہو رہا تھا لیکن اسے اس کے زندہ ہونے کا علم نہ تھا۔

شہر کے وسط میں لا کر سانپ والے نے تماشائیوں سے کہا کہ میں یہ مردہ اژدہا لایا ہوں، اس کے شکار میں مجھے بڑی جانفشانی اور خون پسینہ بہانا پڑا ہے۔

اپنی تشہیر اور کمالات کے خوب چرچے کر رہا تھا چنانچہ اس کی باتیں سن کر خلق

کثیر جمع ہوگئی، شہر کے تمام اطراف و جوانب میں خبر گرم ہوئی کہ ایک سپیرا ایک اژدہا لایا ہے جو بہت ہی نادر ہے اور قابل حیرت طور پر اس نے شکار کیا ہے۔

تماشا دیکھنے کے لیے ہزاروں ناتجربہ کار اور بے عقل لوگ جمع ہوگئے اور وہ سب اس سانپ والے کے چکر میں پھنس رہے تھے۔

صبح کا وقت تھا۔ جب آفتاب بلند ہوگیا اور اس کی شعاعوں کی حرارت نے اس اژدھے کو گرم کیا تو اس کے جسم سے سردی اور ٹھنڈک کے آثار ختم ہونے شروع ہوئے اور رفتہ رفتہ اس میں زندگی کے آثار دکھائی دینے لگے۔

وہ اژدہا جو بالکل مردہ تھا زندہ ہوگیا اور اس نے حرکت کرنا شروع کردی۔ خلق اس مردہ اژدھے کی حرکت سے بڑی حیران ہوئی۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ اژدہا جب ببّر شیر کی طرح حرکت کرنے لگا تو بہت سی مخلوق بھاگتے وقت ایک دوسرے سے ٹکرا کر زخمی ہوگئی اور وہ سانپ والا بھی وہیں خوف سے بے ہوش ہوگیا۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اس واقعہ کے بعد نصیحت فرماتے ہیں کہ خوب سمجھ لو کہ نفس گناہوں کے سامان نہ ہونے سے افسردہ اور بے جان معلوم ہوتا ہے لیکن تنہائی اور خلوت میں کسی اجنبیہ یا امرد (بے ریش لڑکے) کے پاس اس کا کیا حال ہوتا ہے۔

خوب یاد رکھو! اگر نفس کو فرعون جیسا سامان و اسباب عیش اور ویسی ہی طاقت مل جائے، اس وقت تمہارا نفس بھی فرعونی بنیاد پر اسی سطح کی سرکشی اور اللہ کی نافرمانی شروع کردے گا اور اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والے سینکڑوں حضرات سے فرعون کی طرح مقابلہ کرنے پر تُل جائے گا۔

مذکورہ بالا واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

اس حکایت میں اللہ تعالیٰ کے راستے میں چلنے والوں کے لیے نہایت اہم سبق مولانا نے بیان فرمایا ہے کہ نفس پر کبھی اعتماد نہ کرو کہ وہ اصل فطرت کے اعتبار سے امارہ بالسوء (برائیوں کا حکم کرنے والا) ہے۔ پس شیخ کی صحبت اور طویل عمر مجاہدات کی برکت سے اگر نفس کچھ نیک بھی معلوم ہونے لگے پھر بھی اس سے مطمئن ہوکر بے فکر نہ ہونا یعنی احتیاط میں کوتاہی نہ کرنا جیسا کہ بعض بے وقوف جاہل صوفیوں نے جب اک عرصۂ دراز تک اپنے نفس کو اذکار واشغال کا پابند دیکھا تو مطمئن اور بے فکر ہو گئے اور اجنبیہ عورتوں اور امردوں سے اختلاط کرنے لگے اور سمجھے کہ اب ہمارے نفس کو گناہ کا تقاضا مغلوب نہ کرسکے گا لہٰذا کیوں نہ ان کو پاک نظر سے دیکھ کر کچھ نشاط حاصل کرلیا جائے، مگر ان کی پھر کیا حالت ہوئی کہ بری طرح ذلیل ہوئے۔ نفس جو ٹھٹھرا ہوا تھا اسبابِ معصیت کو دیکھ کر زندہ ہونے لگا اور جس نظر کو پاک سمجھا تھا وہی نظر ناپاک اور حرام ثابت ہوئی۔

بالآخر نفس کے سانپ نے ڈس لیا اور راہِ حق میں مردود اور ذلیل ہو گئے۔

اسی وجہ سے ہمارے اکابر بزرگانِ دین نے فرمایا ہے کہ خواہ کتنے ہی پرانے متقی ہوجاؤ، مگر نفس سے مرتے دم تک بے فکر نہ ہونا، حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ع

بھروسہ کچھ نہیں اس نفس امارہ کا اے زاہد! | فرشتہ بھی یہ ہوجائے تو اس سے بدگماں رہنا

نفس کا اژدہا دلا دیکھ ابھی مرا نہیں | غافل ادھر ہوا نہیں، اس نے اُدھر ڈسا نہیں
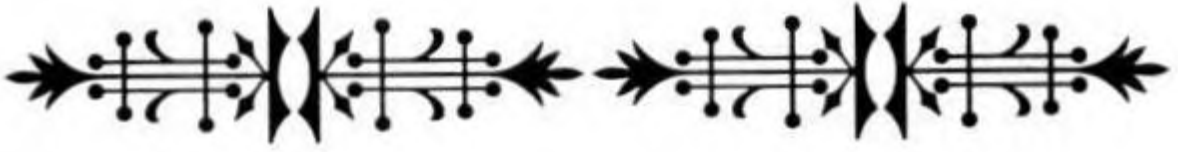
مسنون دعاؤں اور وظائف کا حسینہ مجموعہ

مسنون نماز اور مقبول دعائیں

نماز کے مسائل کا مکمل اور سلیس مجموعہ

جس سے ہر خاص و عام آسانی سے استفادہ کر سکتا ہے۔

تالیف: مفتی نعیم صاحب

چوبیس گھنٹوں کی مسنون دعاؤں اور دیگر مسنون وظائف پر مشتمل حسین مجموعہ

الحمدللہ! پرفتن اور بے دینی کے سیلاب میں
متاعِ ایمان کی حفاظت واہمیت کے سلسلے میں
انتہائی مؤثر اور فکر انگیز کتاب ہے۔

تالیف: مفتی نعیم صاحب

- جس میں ایمان کے حوالے سے قرآنی آیات، سینکڑوں احادیث مبارکہ اور اولیائے کرام کے واقعات وارشادات سے استفادہ کیا ہے۔
- اب تک ہزاروں کی تعداد میں شائع ہو کر دنیا بھر کے انسانوں کے لئے پیغامِ ہدایت ثابت ہو چکی ہے۔
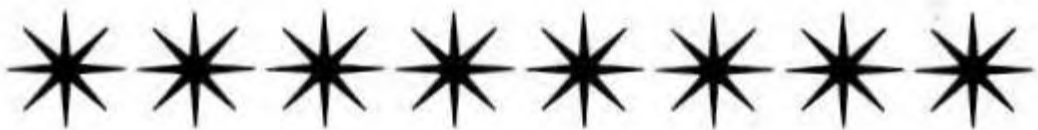
تفہیم الفقہ

الحمدللہ تعالیٰ ''تفہیم الفقہ'' نے بہت کم عرصے میں اہلِ علم کے طبقۂ خصوصی میں مقبولیت حاصل کی ہے۔ اور بہت سے مدارسِ اسلامیہ اور جدید اسلامی کورسز کے نصاب میں شامل ہوئی ہے۔

تالیف: مفتی نعیم صاحب

- جدید طرزِ بیان کے ساتھ قدیم و جدید مسائل عبادات (طہارت، نماز، روزہ، زکوۃ اور حج) کا بیان۔
- جدید پیرائے میں دلچسپ عملی مشقیں جس کے حل کرنے سے مسائل کی فہم میں قابلِ قدر اضافہ ہوتا ہے۔
- ہر باب کے فقہی اصول اور ان کی وضاحت کے لئے دلچسپ فقہی امثلہ۔
- دلکش ٹائٹل اور جاذبِ نظر کمپوزنگ۔

قرآن وسنت کی مستند اور پُرسوز دعاؤں کا نادر مجموعہ

تالیف: مفتی نعیم صاحب

خصوصیات

- قرآن وسنت کی پرسوز دعائیں اور ان کا سلیس اردو ترجمہ
- خاص خاص سورتوں کے فضائل وخواص
- نہایت مجرب اور مقبول وظائف واعمال
- دینی ودنیاوی مشکلات کا بہترین حل وظائف نبوی کی روشنی میں
- روزانہ پڑھنے کی سات مختصر منزلیں
- ہر منزل کے آغاز واختتام پر مستند درود شریف
- ہر منزل میں اسم اعظم جس کی برکت سے دعائیں قبول ہوتی ہیں

بارہ سو احادیث کا نادر تحفہ

شیخ سید احمد الہاشمی رحمۃ اللہ علیہ کی عربی کتاب

"مختار الاحادیث النبویۃ"

کا سلیس اردو ترجمہ
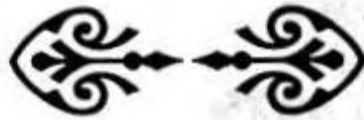
تالیف: مفتی نعیم صاحب

ایمان افروز احادیث
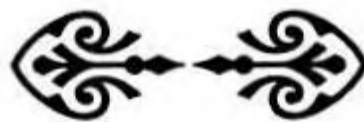
جس میں بارہ سو احادیث مبارکہ، حروف تہجی کی ترتیب پر جمع کی گئی ہیں